کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:19 Issue:6 June 2026

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.ashrafululoomhyd.com

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	اپنے آپ کا محاسبہ کریں	مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	عقل منداور بے وقوف کی پہچان	مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۷
پیش گفتار	سنیت وشیعیت؛ دو متضاد تصویریں	مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی	۹
گوشۂ سیرت	بدر میں امیہ بن خلف کے قتل کی پیش گوئی	مرتب	۲۱
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی محمد رفیع حنیف قاسمی	۲۲
اصلاحی مضامین	ماں کی محبت رب کی محبت کا آئینہ ہے	مولانا عارف غازی	۲۴
"	انجینئر محمد علی مرزا جہلمی کے فتنہ کا رد کیوں؟؟	مولانا محمد انصار اللہ قاسمی	۲۷
فکر ونظر	کیا مسلمانوں کے لئے ''وندے ماترم'' قابل قبول۔۔	مولانا مفتی محمد رفیع حنیف قاسمی	۳۰
تذکرۂ اسلاف	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمہ اللہ	مولانا محمد طاہر غفرلہٗ قاسمی	۳۶
افاداتِ اکابر	کلماتِ حکمت: حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہٗ العالی	ترتیب: مفتی محمد عبدالملک انس قاسمی	۴۳
"	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ	پیش کش: مولانا محمد انصار اللہ قاسمی	۴۶
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۸

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

اپنے آپ کا محاسبہ کریں

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۔ (التوبہ:۳۶)

ترجمہ: آسمانوں وزمین کے پیدائش کے دن ہی سے اللہ تعالیٰ کی کتاب (لوحِ محفوظ) کے مطابق مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں (کہ ان میں جنگ کرنا حرام ہے)۔

تشریح: آیتِ کریمہ کے مطابق اسلامی مہینوں کی کل تعداد بارہ ہے، جن میں سے چار کو حرمت والے مہینے کہا جاتا ہے، یعنی ان مہینوں میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی وہ چار مہینے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہے۔ ماہِ محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، ہم سال چودہ سو سینتالیس ہجری کی ایک طویل مدت گذار کر اب ایک نئے سال چودہ سو اڑتالیس ہجری میں داخل ہو رہے ہیں، سال چودہ سو سینتالیس میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا؟ کونسا کام شریعت کے مطابق کیا اور کونسا کام شریعت کے خلاف کیا؟ ان سب کا محاسبہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ہم سب آخرت کے تاجر ہیں، اور دنیا میں وہی تاجر کامیاب ہوتا ہے جو اپنے کاروبار کا حساب کتاب رکھتا ہے، اپنا سرمایہ لگانے کے بعد بالکل بے فکر نہیں ہو جاتا؛ بل کہ کوئی یومیہ، کوئی ہفتہ وار کوئی ماہانہ اور کوئی سالانہ اس کا حساب کتاب کرتا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہم نے سرمایہ صحیح مقام پر صرف کیا ہے یا نامناسب مقام پر؟ اسی طرح ہم سالِ گذشتہ کا محاسبہ کریں کہ ہم نے کتنی نمازیں ادا کیں اور کتنی میں لاپرواہی برتی؟ ہم نے حلال روزی کما کر استعمال کیا یا مشتبہ اور حرام روزی کو؟ ہم نے کس کو ستایا اور تکلیف پہونچائی؟ ہمارے عمل سے کسی کا نقصان تو نہیں ہوا؟ ہماری زبان سے کوئی ایسی بات تو نہیں نکل گئی جو دوسروں کے لیے جان لیوا یا مشکل میں ڈالنے والی ہو؟ ہمارے رویے سے کسی کے کاروبار میں کوئی کمی تو نہیں آئی؟ ہمارے اسلوبِ گفتگو سے کسی کی عزت پر حملہ تو نہیں ہوا؟ ہم نے سال بھر اپنے گھر، خاندان اور محلے والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ہم نے اپنے گھر والوں کو دین کی

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر، حیدرآباد

طرف مائل کرنے میں کتنی محنت کی؟ ان کے ایمان کو بچانے کے لیے کتنی فکر کی؟ ہماری اولاد میں سے کس کس کو نمازی بنایا؟ کس کس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا سکہ بٹھایا؟ ہم نے دینی تعلیم میں کس حد تک ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی؟ اخلاقی تعلیم کتنی دی؟ معاشرے اور سماج میں کیسے رہنا چاہیے؟ لوگوں؛ خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ یہ سب باتیں کتنی سکھائیں؟ الغرض! ہم سال بھر کے اقوال و افعال کا جائزہ لیں، پھر غور کریں کہ ہم نے کونسا کام غلط کیا؟ کونسی بات غلط بولی؟ کونسا طرز نامناسب اختیار کیا؟ معاشرے اور سماج میں کیا خامی نظر آئی؟ ہم ان سب امور کا محاسبہ کرنے اور جائزہ لینے کے بعد چودہ سو اڑتالیس ہجری کے لیے ایک لائحۂ عمل تیار کریں، ذہن میں خاکہ بنائیں کہ ہم نے گذشتہ سال جو جو اچھے کام کیے ان کو مزید بہتر بنانے کی کوشش اور فکر کریں گے، اور جن اچھے کاموں میں سستی، لاپرواہی اور غفلت برتی تھی ان کو اس سال اچھی طرح انجام دیں گے، ان میں اس سال سستی نہیں کریں گے، ان میں غفلت نہیں برتیں گے، مثلاً سالِ گذشتہ نمازوں میں اگر کوتاہی ہوئی تھی اس سال ہم ایک ایسی ترتیب بنائیں اور ایسا پختہ ارادہ اور عزمِ مصمم کریں کہ نمازیں اچھی طرح ادا ہو سکے، ہم سے کوئی نماز نہ چھوٹ پائے، سنتوں کا اہتمام کریں، جماعت کے ساتھ مسجد میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنے کی فکر کریں، اگر سالِ گذشتہ ہمارے قول سے، عمل سے، رویے سے اور حرکت سے کسی کو تکلیف ہوئی تھی تو ہم ان سے معافی مانگیں، ان کے دل کو خوش کریں؛ کیوں کہ ہم بشر ہیں، ہم فطری طور پر کمزور ہیں، قرآن کریم نے خود اس کی شہادت دی ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (سورۃ النساء:۲۸) کہ انسان اپنے ارادے میں کمزور پیدا ہوا ہے، انسان چاہتا ہے ہم سب کے ساتھ مل جل کر اور محبت سے رہیں؛ لیکن کبھی حالات کی وجہ سے نااتفاقی اور ناچاقی ہو جاتی ہے، گویا کہ جو اس نے ارادہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کر ڈالی؛ اس لیے اللہ نے اس کی تلافی کی شکل پیدا فرمادی کہ اگر وہ حقوق اللہ سے متعلق ہو تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے، اور اگر حقوق العباد سے متعلق ہو تو بندوں سے معافی مانگ لے، اسی طرح اگر کسی مجبوری اور وقتی ضرورت کی وجہ سے ہم نے مشتبہ یا حرام مال کو استعمال کر لیا، تو اس سال اس سے بچنے کا ارادہ کریں، ایسا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کریں کہ جس سے مشتبہ مال کو استعمال کرنے کی ضرورت نہ پڑے، ابتداءً پریشانی ہوگی، دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا؛ لیکن اس کی برکت سے ان شاء اللہ ایسا راستہ ہموار ہوگا کہ ہم بہ سہولت حرام مال سے بچ سکیں گے۔ پس حاصلِ کلام یہ ہے کہ گذشتہ سال کی خوبیوں کو اس سال مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں، غلط کاموں کو چھوڑنے کا عہد کریں، اور یہ سوچ کر اس سال کا آغاز کریں کہ ان شاء اللہ ہمارا یہ سال گذشتہ سال کے مقابلے میں علمی، عملی، اخلاقی اور دوسرے تمام پہلوؤں سے بہتر ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

درسِ حدیث

عقل منداور بے وقوف کی پہچان

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ (ترمذي شريف 2459)

ترجمہ:۔حضرت شداد بن اوس ؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے، موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے، اور عاجز و بے وقوف وہ ہے جو اپنے کو خواہشات کے پیچھے لگا دے، اور اللہ سے اچھے انجام کی بس امیدیں رکھے۔

تشریح:۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کا اعتقاد ہے کہ دنیا دراصل دار العمل والامتحان اور آخرت دار الجزاء والثواب ہے، دنیا کی زندگی عارضی اور وقتی ہے، اور آخرت کی زندگی دائمی اور ہمیشہ کی ہے، آخرت کی فلاح وکامیابی کا دارومدار دنیاوی زندگی کو اُس طرح گزارنا ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پابند فرمایا ہے، جو بندہ کے لئے ایک زبردست مجاہدہ اور امتحان ہے، چوں کہ دنیا کی زندگی کا مقصد ہی امتحان و آزمائش ہے، اس لیے امتحاناً وابتلاءً نفس وشیطان کو تصرف وتسلط کی تمام قوتوں کے ساتھ پیچھے لگا دیا گیا ہے، نفسِ انسانی اَمّارہ بالسوء (کثرت سے برائیوں کی دعوت دینے والا) ہے، اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اور شیطان فی الواقع انسان کا وہ حقیقی دشمن ہے جو انسان کو بے حیائیوں اور گناہوں میں ہمہ وقت ملوث دیکھنا چاہتا ہے، اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ، اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ (بقرہ: ۱۰۸۔۱۰۹) اسی لئے یہ دونوں دشمن لوگوں کے اندر نافرمانی وگمراہی کے وساوس وخیالات پیدا کرتے رہتے ہیں، ان دونوں دشمنوں کے پیدا کردہ وساوس وخیالات سے مکمل طور پر بچتے ہوئے زندگی گزارنا ہی دراصل وہ مجاہدہ ہے جس کے بعد من جانب اللہ

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ہدایت کے راستے کھلتے اور کامیابی کے منازل طے ہوتے چلے جاتے ہیں، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۲۹) اس کے برخلاف کسی شخص نے اگر اپنے آپ کو نفس کی خواہشات کا غلام وتابع بنالیا تو وہ راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم سے ہٹتا چلا جاتا ہے؛ تا آں کہ ضلالت وگمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے واصلِ جہنم ہوجاتا ہے۔

زیرِ نظر حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ اسی حقیقت کو واضح فرمارہے ہیں کہ حقیقی عقلمند اور بے وقوف کون ہیں؟ دنیاوی کاروبار ومعاملات میں اُس شخص کو عقلمند وزیرک سمجھا جاتا ہے جو اپنے شریکِ کاروبار یا افسر کے محاسبہ سے پہلے حساب وکتاب کرکے ازخود تیار رہے؛ تاکہ عین وقت دشواری کا سامنا کرنا نہ پڑے، ایسے ہی آخرت کے اعتبار سے عقلمند وہوشیار وہ شخص ہے جو ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے، کہ اُس سے اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب میں کتنی اطاعت فرمانبرداری ہورہی ہے، اور کتنا تغافل وتکاسل بڑھتا جارہا ہے، ہر دن بلکہ ہر وقت کا یہ محاسبہ اور فکر اس کو آخرت کے حساب وکتاب کے مشکل مرحلے سے بچاسکتا ہے، اور حسابِ یسیر میں اللہ تعالیٰ اُس کا مسئلہ حل فرمادے گا، جیسا کہ حدیث میں مسنون دعا منقول ہے، اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا، یعنی اے اللہ! میرے ساتھ آسان حساب کا معاملہ فرمائیے، آسان حساب سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندہ کے اعمال پر نظر فرما کر درگزری کا معاملہ فرمادے؛ کیوں کہ اے عائشہ! اُس روز جس کے حساب کی جانچ پڑتال کی گئی سمجھو کہ وہ ہلاک ہوگیا، انه من نوقش الحساب يومئذ يا عائشة هلك (مشکاۃ:5562)

اس کے برخلاف بے وقوف وعاجز شخص وہ ہے جو زندگی کی خواہشات کا بندہ بنارہا ہے، اور آخرت کے عذاب اور عواقب میں اللہ تعالیٰ سے نجات وبخشش کی امیدیں رکھا، ایسا شخص کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں بے وقوف اور نالائق ہے ہی؛ مزید یہ کہ وہ اپنی امیدوں اور آرزوؤں میں ناکام ثابت ہوگا، اس کی عبث امیدیں اس کے کچھ نہیں آئیں گی۔

معلوم ہوا کہ اپنے آپ کا محاسبہ کرتے رہنا اور مابعد الموت فلاح وکامیابی کے لئے اعمال میں لگے رہنا ہی عقلِ سلیم اور فہمِ صحیح کا تقاضا ہے، اور خواہشاتِ نفس کی غلامی نالائقی اور بے وقوفی کی علامت ہے۔

ابتدائیہ

سنیت وشیعیت؛ دو متضاد تصویریں

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

اسلام دین فطرت ہے، اللہ کا پسندیدہ ومحبوب دین ہے، عقائد حقہ پر ثبات مطلوبِ شریعت ہے، اعمال کی قبولیت اور حسن خاتمہ کا مدار سلامتی ایمان واسلام پر ہے، اسی پر نجاتِ اُخروی کا انحصار ہے، اہلِ اسلام کے دین وایمان میں رخنہ انداز تمام افکار ونظریات اور اعمال واشغال سے تحفظ از حد ضروری ہے، اہل زیغ وضلال نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ اہل اسلام اپنے دین ومذہب پر صحیح طریقے سے یقین رکھیں اور باہتمام عمل پیرا ہوں اور انہیں دارین میں سرخروئی نصیب ہو۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم (سورۂ بقرہ:۱۰۹) اس پر شاہد ہے۔

اس لیے اہلِ باطل نے اسلامی تعلیمات اور اس کے ماٰخذ کو مجروح ومخدوش کرنے اور اُنہیں ناقابلِ اعتبار وبے اعتماد قرار دینے بلکہ دینِ عیسوی کی طرح اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور کر رہے ہیں؛ لیکن تحفظِ دین وشریعت کے وعدۂ خداوندی کی برکت سے اعدائے اسلام ناکام ونامراد ہیں؛ بلکہ صبح قیامت تک ان کے ہاتھ خسران کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

علاوہ ازیں انہوں نے مسلمانوں کے دینی شعور کو ختم کرنے، اعمال واخلاق کے اعتبار سے ناکارہ ونکما بنانے اور ان کے مضبوط عقائد میں شکوک وشبہات، بلکہ اعتراضات واشکالات پیدا کر کے اُنھیں دیمک خوردہ لکڑی کی طرح کھوکھلا کر دینے اور صرف نام کا مسلمان باقی رکھنے کی انتھک کوشش کی ہے۔ مسلمانوں کی دین سے دوری اور جہالت وناخواندگی، احکام دین سے بے پرواہی اور ماٰخذ دین سے

لاتعلقی نے اُنھیں مسلم معاشرے کی بنیادیں ہلا دینے اور قصر اسلام کو ڈھا دینے کی راہ ہم وار کر دی ہے۔

بایں وجہ مسلمان اپنی شناخت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، عقائد و افکار، افعال و کردار میں اسلامی تشخص اور دینی تصلب ختم ہوتا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کو اہل باطل اور اعدائے دین یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے عادات و اطوار، افعال و افکار، تدین و تمدن کو اختیار کرنے میں کوئی باک اور حرج نہیں معلوم ہو رہا ہے۔ حالانکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح تعلیمات نے مسلمانوں کو فکر و نظر سے لے کر حرکات و سکنات تک، مہد سے لے کر لحد تک تمام شعبہائے حیات میں غیر مسلموں، کافروں، مشرکوں، یہودیوں، نصرانیوں اور تمام باطل و گمراہ افراد و تحریکوں سے علاحدگی کا خط امتیاز عطا فرمایا اور کسی موقعہ پر اغیار سے ادنیٰ سے ادنیٰ تشبُّہ کو بھی پسند نہیں کیا، اور ایک ایسا کامل و مکمل نظام حیات دیا کہ دوسروں کے طرز معاشرت، فکر و نظر اور آئیڈیالوجی کو نگاہ میں جچنے کا موقع ہی نہ ملے۔

لیکن اس کے باوجود گزشتہ چند برسوں سے یہ بات بار بار سامنے آ رہی ہے کہ اسلامی سال شروع ہوتے ہی اہل سنت میں اہل تشیع کا رنگ غالب ہوتا نظر آ رہا ہے، شیعیت سے قرب بڑھتا جا رہا ہے، شیعہ افکار و نظریات کو سنی مسلمان فروغ دے رہے ہیں، سنی مسلمان اپنی دینی بے بضاعتی، کم علمی، دین پر ناپائداری اور شیعی دوستوں کے ساتھ نشست و برخاست، بود و باش، تعلیم و تعلم، علاج و معالجہ، ملازمتی و تجارتی معاملات اور اُن کے ساتھ گہرے مراسم و تعلقات کے سبب ان کے محافل عزا، مجالس تبرّا، علمی جلوس میں نہ صرف یہ کہ شرکت کر رہے ہیں بلکہ ان کی خرافات و بکواسات سن سن کر تربیت یافتگان بارگاہِ نبوت اور معتمدینِ دین و شریعت سے بدظن ہو رہے ہیں، نیز اُن پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کو صحیح مان کر سنیت کو غلط اور علمائے اہلِ سنت کو تبلیغ دین میں خائن سمجھ رہے ہیں؛ بل کہ نوبت بایں جا رسید کہ سنیت کو چھوڑ کر شیعیت اختیار کر رہے ہیں، ابھی چند دن قبل ایک عزیز دوست عالم دین نے بتایا کہ تلنگانہ کے ضلع میدک میں ایک ہی عامل سے علاج کرانے والے 80 مسلمان گزشتہ سال شیعیت اختیار کر چکے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ شیعیت وہ فرقہ اور گروہ ہے جس نے سب سے پہلے اسلام کی بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا ہے، اس نے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے وہی طریقہ اپنایا، جو پولس یہودی نے عیسائیت کی تخریب کاری کے لیے چنا، جیسے پولس پہلے یہودی تھا عیسائیت کا چوغہ پہن کر عیسائیوں میں مقام

تقدس حاصل کیا اور پھر دین عیسوی کی برحق تعلیمات کو ایسا مسخ کر دیا کہ وہ دین کفریات وشرکیات کا مجموعہ بن کر رہ گیا، یہ پتہ چلنا مشکل ہو گیا کہ کبھی وہ دین برحق تھا اور انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تھا، ٹھیک اسی طرح عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر عہدِ عثمانی اور اس کے بعد سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ظاہر ہوا، حُبِّ علی، حبِّ اہل بیت کے دعوے کیے، بل کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبے کو بڑھا چڑھا کر جاہل وکم علم عوام میں ربوبیتِ علی، خلافتِ بلافصل کی اہلیتِ علی، نبوت کے اصل حقدار علی جیسے باطل خیالات کو فروغ دے کر اپنا ایک گروہ تشکیل دیا۔ اگرچہ کہ سیدنا علیؓ نے عبداللہ بن سبا یہودی کو کیفرِ کردار تک پہونچایا تاہم تخمِ شیعیت اپنا کام کرتا رہا، اور شیعی گروہ روز بہ روز قوت پکڑتا گیا اور اسلام کی تخریب کا مشن جاری رکھا رہا، اور آج تک اس شجرِ زقوم کی مسمومیت سے امتِ مسلمہ کا ایمان آخری سانسیں لے رہا ہے۔

چوں کہ سنی مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ شیعوں سے تعلقات وروابط میں کوئی قباحت ومضرت نہیں، ان کے خیالات سے ہمیں کیا مطلب؟ اس دھوکے سے نکلنے کے لئے ضروری معلوم ہوا کہ یہاں اجمالی طور پر چند عقائدِ شیعہ ذکر کیے جائیں اور اہلِ سنت کا بھی اس بارے میں موقف واضح کیا جائے تاکہ سنی مسلمانوں کو اس فرقے کے افکار ونظریات کی خطرناکی کا کچھ اندازہ ہو، اور اس گروہ کی صحبت ومعیت کا ایمان کے لئے نہایت نقصان دہ ہونا سمجھ میں آئے، اور سنیت وشیعیت میں خطِ امتیاز وحدِ فاصل معلوم ہو جائے۔

مسئلۂ امامت

مذہبِ شیعہ کے محل کا سنگ بنیاد ''مسئلہ امامت'' ہے، اس عقیدہ کی اہمیت کا اندازہ ان کی اُن روایاتِ منقولہ سے ہوگا جن میں وہ اماموں کو پہچاننا اور ماننا شرط ایمان قرار دیتے ہیں، اور اُن کے نزدیک اس کے بغیر ایمان نامکمل ناقص رہتا ہے۔ غور کریں تو پتہ چلے گا شیعوں کا مسئلہ ''امامت'' الٰہی اختیارات اور نبوی امتیازات سے مرکب ہے، انھوں نے خدا کی خدائی اور نبی کی نبوت کو چھین کر ائمہ کو اِن کا مختار بنا دیا ہے، اور اسی کی آڑ میں جو کچھ کرشمہ سازیاں کی ہیں وہ بیان سے باہر ہیں، اس لئے پہلے اہل سنت کے یہاں اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں عقائد حقہ کو ذکر کیا جاتا ہے:

اللہ: اس ذاتِ واجب الوجود کا نام ہے، جو اکیلا اور تنہا ہے، اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، اس کی کوئی زوجہ ہے نہ اولاد، نہ اس کا کوئی ہم سر ہے اور نہ کوئی برابر، وہ بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں، وہ ہر عیب سے پاک ہے، وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا مالک ہے، وہی سب کا خالق اور حاکم ہے، کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء اسی کی مخلوق و محکوم ہے، ہر چیز پر اسی کا اختیار ہے، اس کا علم ذاتی اور علمِ محیط ہے، کوئی شئی اس کے علم سے باہر نہیں، وہ قادرِ مطلق ہے، کسی چیز میں اس کا کوئی مثل نہیں ہے۔ شانِ الوہیت کا وہ تنہا مالک ہے۔

اب ذرا شیعوں کا مسئلہ امامت پڑھئے کہ کیسے ائمہ کو الٰہی اختیارات کا حامل بنایا ہے، اور اُن کے بارے میں کیسے کیسے اعتقادات ہیں۔ شیعوں کی مستند ترین کتاب ''الجامع الکافی'' میں ائمہ کی ولایت کا عقیدہ درج ہے اور یہ بھی کہ اس کی تبلیغ کا حکم سب پیغمبروں اور سب آسمانی کتابوں کے ذریعے آیا ہے، چنانچہ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ

قال و لایتنا و لایۃ اللہ التی لم یبعث نبی قط الا بھا (اصولِ کافی:۲۷۶)		انھوں نے فرمایا ہماری ولایت (یعنی بندوں پر اور مخلوق پر ہماری حاکمیت) بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی ولایت و حاکمیت ہے جو نبی بھی اللہ کی طرف سے بھیجا گیا وہ اس کا اور اس کی تبلیغ کا حکم لے کر بھیجا گیا ہے۔

بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ائمہ کو ما کان و ما یکون (ماضی و مستقبل) کا علم حاصل تھا بلکہ وہ علم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی فائق و برتر تھے، چناں چہ امام جعفر صادق نے اپنے خاص رازداروں کی ایک مجلس میں فرمایا::

لو کنت بین موسیٰ و الخضر لاخبرتھما انی اعلم منھما و لانباتھما مالیس فی ایدیھما لان موسیٰ و الخضر علیھما السلام اعطیا علم ماکان ولم یعطیا مایکون و ماھو کائن حتی تقوم الساعۃ		اگر میں موسیٰ و خضر کے درمیان ہوتا تو میں ان کو بتلاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں، اور ان کو اس سے باخبر کرتا جو اُن کے علم میں نہیں تھا کیوں کہ موسیٰ اور خضر علیھما السلام کو صرف ما کان کا علم عطا ہوا تھا اور ما یکون

وقد ورثناه من رسول الله صلى الله عليه وآله وراثة۔ (اصولِ کافی:۱۶۰)		اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کا علم ان کو نہیں دیا گیا تھا اور ہم کو وہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثۃً حاصل ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں ایمان کی حقیقت سے متعلق اصول کافی کے باب معرفة الامام و الردالیه کے تحت ایک روایت امام باقر و امام جعفر صادق سے اس طرح منقول ہے کہ

عن احدهما انه قال لا يكون العبد مومنا حتى يعرف الله ورسوله والائمة كلهم وامام زمانه (اصولِ کافی:۱۰۵)		انہوں نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام ائمہ خاص کر اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل نہ کرے۔

غور کیا جاسکتا ہے کہ شیعوں کی یہ چند مزعومہ روایات جو بہ طور نمونہ پیش کی گئی ہیں، کس طرح ائمہ کو منصبِ الوہیت سے سرفراز کر رہی ہیں، اور کیسے ایمان باللہ و ایمان بالرسول میں ائمہ کو شریک کر رہی ہیں؟ آگے ان کے رسالتی تصورات کو ملاحظہ کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ اہل سنت کے نزدیک رسالت کا عقیدہ کیا ہے؟

رسول: اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ مقرب بندے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی براہِ راست وحی نازل ہوتی ہے، اور کبھی فرشتے وحی لے آتے ہیں، ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، وہ مفترض الطاعۃ ہیں، (یعنی بندگانِ خدا پر اُن کی اطاعت فرض ہے،) فریضۂ تبلیغ دین میں قصور و خیانت سے بری ہیں، وہ ہر طرح کی خطا سے پاک ہوتے ہیں، منصبِ نبوت کی عالی ذمہ داری کے امین ہوتے ہیں، کوئی امر دین اُمت سے مخفی نہیں رکھتے۔

اب ذرا اُن روایات کا مطالعہ کریں جن میں شیعوں نے رسولوں کے اوصاف و احوال کو ائمہ کے لئے ثابت کیا ہے، چناں چہ اصول کافی کے ''باب فرض طاعة الائمة'' کے تحت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ:

نحن الذين فرض الله طاعتنا لا يسع الناس الا معرفتنا ولا يعذر الناس بجهالتنا من عرفنا كان مومنا ومن انكرنا كان كافراً ومن لم يعرفنا ولم ينكرنا كان ضالا حتى يرجع الى الهدى الذى افترض الله عليه من طاعتنا الواجبة (اصولِ کافی:۱۱۰)		ہم وہ ہیں کہ اللہ نے ہماری اطاعت فرض کی ہے ،سب لوگوں کے لئے ہم کو پہچاننا اور ماننا ضروری ہے، ہمارے بارے میں ناواقفیت کی وجہ سے لوگ معذور قرار نہیں دیئے جائیں گے، جو ہم کو پہچانتا اور مانتا ہے وہ مومن ہے اور جو ہم کو نہیں پہچانتا اور انکار بھی نہیں کرتا وہ گمراہ ہے یہاں تک کہ وہ راہِ راست پر آ کر ہماری وہ اطاعت قبول کرلے جو اللہ نے فرض کی ہے۔

بلکہ ائمہ کی اطاعت کو رسولوں کی اطاعت ہی کی طرح فرض قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن ابى الحسن العطار قال سمعت اباعبدالله يقول اشرک بين الاوصياء والرسل فى الطاعة (اصولِ کافی:۱۱۰)		ابوالحسن عطار سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا فرماتے تھے کہ اوصیاء (یعنی ائمہ) کو اطاعت میں رسولوں کے ساتھ شریک کرو (یعنی جس طرح رسولوں کی اطاعت فرض ہے اسی طرح اماموں کی اطاعت فرض سمجھو)۔

اصولِ کافی میں ائمہ کے فضائل کے ذیل میں انبیاء کی طرح ائمہ کی عصمت بیان کی گئی ہے، آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کا ایک طویل خطبہ ہے جس میں امام کے بارے درج ہے:

فهو معصوم موید ، موفق مسدد قد امن من الخطاء والزلل والعثار ،يخصه الله بذٰلک ليكون حجة على عباده وشاهده على خلقه (اصولِ کافی:۱۲۱، ۱۲۲)		وہ معصوم ہوتا ہے ، اللہ تعالیٰ کی خاص تائید وتوفیق اس کے ساتھ ہوتی ہے ،اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے وہ غلطی بھول چوک اور لغزش سے محفوظ ومامون ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔

اصولِ کافی کے باب ''ان الائمة معدن العلم و شجرة النبوة و مختلف الملائكة'' میں ائمہ کے پاس فرشتوں کی آمد و رفت کا ذکر ملتا ہے، امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ:

نحن شجرة النبوة وبيت الرحمة ومفاتيح الحكمة ومعدن العلم وموضع الرسالة ومختلَف الملائكة (اصولِ کافی: ۱۳۵)		ہم لوگ نبوت کے درخت ہیں اور رحمت کے گھر ہیں، اور حکمت کی کنجیاں ہیں اور علم کا خزانہ ہیں اور رسالت کی جگہ ہیں اور ہمارے پاس ملائکہ کی آمد و رفت رہتی ہے۔

ایک اور بیان پڑھیے جس میں انبیاء پیچھے رہ گئے اور ائمہ اُن سے آگے بڑھ گئے ہیں، علامہ باقر مجلسی نے اپنی تصنیف ''حیات القلوب'' میں لکھا ہے:

''امامت بالاتر از رتبۂ پیغمبر است'' (حیات القلوب: ۱۰/۳)		امامت کا درجہ نبوت و پیغمبر سے بالاتر ہے۔

مذکورہ بالا شیعی روایات سے ''مسئلہ امامت'' کی حقیقت کو قارئین اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اُنھوں نے ائمہ کو جس مقام پر فائز کیا اور جن اختیارات کا مختار بنایا ہے اس سے فساد فی الارض اور تخریب فی الدین اور نسخ اسلام کی کیسی زبردست راہ نکل آتی ہے۔ الامان الحفیظ

پھر چوں کہ اللہ و رسول کے بعد انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ کتابِ ہدایت اور وہ قدسی صفات جماعت رہ جاتی ہے جس کی عدالت و شہادت، صداقت و دیانت، تقویٰ طہارت پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر ثبت کی ہے، اس لئے انھوں نے کتاب اللہ کو محرف و مبدل اور جماعتِ صحابہؓ کو نفاق و ارتداد سے متہم کر کے دینِ اسلام کو بالکل نا قابلِ اعتبار مذہب بنانے کی نہایت مذموم کوشش کی۔ اگلی سطور میں ان دونوں امور سے متعلق بھی کچھ باتیں نذرِ قارئین کی جاتی ہیں۔

قرآن کریم: اہل سنت والجماعت کے ہاں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی ہے، تحریف و تبدیل سے محفوظ و مامون ہے، سابقہ کتب سماویہ کی مصدق ہے لیکن شیعوں کی ہفوات کتاب اللہ کے بارے میں بھی کچھ کم نہیں ہے۔

اصولِ کافی کے باب ''فضل القرآن'' کی ایک روایت ہے:

عن هشام بن سالم عن ابی عبد الله علیه السلام قال ان القرآن الذی جاء به جبریل علیه السلام الی محمد صلی الله علیه و اله سبعة عشر الف اٰیة (اصولِ کافی:۶۷۱)		ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قرآن جو جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لے کر نازل ہوئے اُس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں۔

شیعوں کی اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دو تہائی قرآن غائب ہو گیا ہے۔ایک دو مثالیں وہ بھی پڑھ لیجئے جس میں شیعہ تحریف کو بیان کر رہے ہیں: قرآن کریم کی آیت: نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (سورۃ الشعراء: ۱۹۳ تا ۱۹۵) یعنی امانت دار فرشتہ اُسے (قرآن) کو لے کر اُترا (اے پیغمبر!) تمہارے قلب پر اُترا ہے تا کہ تم ان پیغمبروں میں شامل ہو جاؤ جو لوگوں کو خبردار کرتے ہیں، ایسی عربی زبان میں اُترا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔

امام باقر سے اس آیت کے مطلب میں یہ روایت منقول ہے کہ جبرئیل جو چیز لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر نازل ہوئے وہ ''امیر المومنین حضرت علی کی ولایت وامامت'' کا مسئلہ ہے۔

مطلب واضح ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن لے کر نہیں آئے، ''ولایت وامامتِ علی'' کا مسئلہ لے کر نازل ہوئے تھے، آیت کی اس مراد کو ذکر نہیں کیا گیا۔

اسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت 66: وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ (سورۃ المائدہ) یعنی اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو کتاب (اب) اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے قائم کر لیتے۔ کے بارے میں امام باقر سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں ''الولایة'' فرمایا ہے۔یعنی ما أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ سے مراد قرآن نہیں بلکہ امامت کا مسئلہ ہے۔

شیعوں کی ان روایتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن مجید محرف ومبدل ہے، گویا یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان عظیم ہے کہ اس نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کر کے بھی حفاظت نہیں کی۔ سبحانك هذا بهتان عظیم۔

اسی لئے شیعہ امامیہ کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''الملل والنحل'' میں لکھتے ہیں:

ومن قول الامامیة کلها قدیما و حدیثا ان القرآن مبدل زید فیه مالیس منه و نقص منه کثیر و بدل من کثیر (الملل والنحل)		امامیہ قدیم وجدید سب اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید میں تبدیلی کر دی گئی ہے جو باتیں قرآن میں نہیں تھیں اس میں بڑھا دی گئی ہیں اور کمی اور تبدیلی تو بہت کی گئی ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والقول بان بین اللوحین تبدیلاً کفر صریح وتکذیب لرسول اللہ'' کہ موجودہ قرآن کو محرف اور مبدل کہنا کھلا ہوا کفر اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب ہے۔

صحابہ کرام: اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک صحابۂ کرامؓ وہ عظیم اور مقدس جماعت ہے جن کی تربیت آنحضرت ﷺ نے کی ہے، وہ ایمان، عمل، اخلاق و کردار میں امت میں سب سے فائق اور قابلِ تقلید ہیں، انھیں رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا اعزاز حاصل ہے، تمام صحابہؓ عادل ہیں اور ان کی تمام فروگزاشتیں حق تعالیٰ نے معاف فرما دی ہیں، اُن پر لعن طعن کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اُن سے محبت نبی ﷺ سے محبت، اُن سے عداوت نبی کریم ﷺ سے عداوت و دشمنی ہے۔

شیعوں نے ان پر بھی لعن طعن کیا ہے، اور امت میں ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کوشش کی اور کرتے رہتے ہیں تاکہ امت کا ان سے رشتہ ٹوٹ جائے۔ چناں چہ

سوائے تین کے تمام صحابہؓ پر مرتد ہونے کا حکم ان کی کتاب ''الروضہ'' میں امام باقر سے اِن الفاظ میں منقول ہے:

قال کان الناس اهل ردة بعد النبی صلی اللہ علیه واله الا ثلٰثة ، فقلت و من الثلٰثة ؟ فقال المقداد بن اسود و ابو ذر الغفاری و سلمان الفارسی رحمة اللہ و علیهم و برکاته (فروع کافی جلد:۳ کتاب الروضہ ص:۱۱۵)		انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین کے (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کیا وہ تین کون تھے؟ تو امام باقر نے فرمایا مقداد ابن الاسود اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی ان پر اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں۔

اس روایت کو پڑھنے کے بعد کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس میں نہ صرف ارتدادِ صحابہؓ کی خبر ہے بل کہ درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ـــــ جن سے بڑا کوئی داعی نہیں، ـــــ کی دعوت پر حرف زنی کی گئی کہ وہ اپنے دعوتی فریضہ میں اس قدر ناکام رہے کہ آپ کے تربیت پائے ہوئے سب کے سب نعوذ باللہ مرتد ہو گئے۔ لقد جئتم شیئاً ادا

امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں شیعوں نے کیسے الزامات لگائے ہیں۔ امام باقر مجلسی کی کتاب ''حیات القلوب'' جلد دوم صفحہ 742 پر ایک مستقل باب ہے:

باب پنجاہ وپنجم در بیان احوال شقاوت آل عائشہ وحفصہ (فروع کافی جلد:۳ کتاب الروضہ ص:۱۱۵)		باب 55 عائشہ وحفصہ کے بدبختانہ حالات کے بیان میں

اس میں مجلسی نے بار بار دونوں کو ''منافقہ'' لکھا ہے۔ اسی جلد میں آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بیان میں یہ عبارت موجود ہے

وعیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہ وحفصہ آنحضرت را بزہر شہید کردند (کتاب الروضہ ص:۸۷۰)		عیاشی نے معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ عائشہ وحفصہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔

شیعوں کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی اپنی مشہور تصنیف ''جلاء العیون'' (صفحہ 46 مطبوعہ تہران) حضرات شیخین کے بارے میں لکھتے ہیں:

لعنتِ خدا ورسول بر ایشاں باد وہر کہ ایشاں را مسلمان داند وہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید'' (جلاء العیون ص:۴۶ مطبوعہ تہران)		اللہ اور رسول کی لعنت ان دونوں پر ہو اور ہر اس شخص پر جو انہیں مسلمان سمجھے یا ان کی لعنت میں توقف کرے۔

سورۂ حجرات کی آیت ۷ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ میں ہے:

اصول کافی کی روایت کے مطابق جعفر صادق نے اس آیت کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے لکھا ہے

قولہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم یعنی امیر المؤمنین علیہ السلام وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان الاول والثانی والثالث (اصول کافی، ص:۲۶۹)		''حبب الیکم الایمان'' میں ایمان کا مطلب ہے امیر مومنین علیہ السلام (کی ذات شریف) اور آگے'' کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان میں کفر کا مطلب خلیفہ اول ابوبکر اور فسق کا مطلب خلیفہ ثانی عمر اور عصیان کا مطلب خلیفہ ثالث عثمان۔

سطورِ بالا میں جو شیعی روایات نقل کی گئی ہیں یہ صرف اُن کے عقائد وافکار کا اجمالی ذکر ہے، ابھی اُن کے مذہب کے بہت سے وہ تاریک پہلو ہیں جن سے پردہ نہیں اُٹھایا گیا ہے، یہ مختصر مضمون نہ اس کی اجازت دیتا ہے نہ اس وقت وہ مقصود ہیں، یہاں صرف اہل سنت کو ان کے فاسد معتقدات سے آگاہ کرنا اور اُن سے علاحدگی اختیار کرنے، نیز ان کے مراسم ومجالس میں شرکت سے گریز کی تاکید کرنا مقصود ہے، ان سب کو پڑھنے کے بعد شاید ہی کوئی بے غیرت مؤمن ہوگا جو شیعوں سے روابط وتعلقات رکھ کر اپنے ایمان کو تباہ وبرباد کرے۔

ایک گذارش:

اخیر میں علماءِ امت، خدام دین اور خطباء عظام سے گذارش ہے کہ وہ ضرور اس مذہب کا مطالعہ کریں اور اپنے ایمانی رفقاء کو ان کی زہرناکیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں، کم از کم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی معروف ومایۂ ناز اور انقلابی کتاب ''**ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت**''، اسی طرح حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب ''**شیعیت قرآن وحدیث کی روشنی میں**'' ایک دفعہ ضرور پڑھ لیں[1] جس کے بعد چشم کُشا ہوجائے گی اور شیعیت کی اصلیت واضح ہوجائے گی، نیز کم از کم دو ماہ محرم وصفر میں جمعہ کے خطابات میں مثبت ومدلل انداز میں حق تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وخاتمیت، قرآن پاک کی حقانیت وصداقت، اور صحابہ کرامؓ کی عظمت وتقدیس پر

[1] مضمون میں ذکر کردہ شیعی روایات ان ہی دو کتابوں سے ماخوذ ہے۔

مسلسل خطاب فرمائیں اور اپنے مقالات کا موضوع بنائیں، سوشیل میڈیا پر ان کی طرف سے پھیلائی جارہی خرافات و بدعقیدگیوں کا سدباب کریں، سنیوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کریں، حقائق سے آگاہ کریں، غلط فہمیوں کا پردہ چاک کریں، بل کہ اُن رد میں یومیہ ایک پوسٹ ''خاتمیتِ رسول، عظمتِ قرآن، تقدسِ صحابہ وصحابیات وحب اہل بیت'' کے موضوع پر ترتیب دے کر عام کریں، تاکہ امت میں دو اور دو کی طرح واضح ہوجائے کہ سنیت وشیعیت میں نمایاں حد فاصل ہے، دونوں کے عقائد وافکار ایک دوسرے کے مغائر ہیں، کوئی توافق وتطابق نہیں ہے۔ ساری دنیا نے شیعہ مسلم اور سنی مسلم کے الفاظ سے دھوکہ کھایا ہے، نہ شیعی لوگ غیر شیعی عام مسلمانوں کو مومن سمجھتے ہیں اور اہل السنۃ والجماعت اُن شیعوں کے کفریہ عقائد کے ہوتے ہوئے کبھی اُنھیں مسلم سمجھ سکتے ہیں۔ اس فریب سے امت کو نکالنا علمائے امت کا فریضہ ہے۔

قابلِ ستائش اور لائق صد تشکر ہیں وہ علمائے امت اور جماعتیں وتنظمیں جو خاص کر اِن دنوں عظمتِ قرآن وتقدسِ صحابہؓ کے کاز میں مشغول ومصروف ہیں، اپنی تقاریر وتحریرات، رسائل وکتب اور ورقیات وصوتی پیغامات کے ذریعہ امتِ مسلمہ سنیہ میں شعور دین اور حمیتِ ایمانی پیدا کرنے کے کاز پر کاربند ہیں۔ حق جل شانہٗ اپنی شانِ کریمی سے ان کی مخلصانہ محنتوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے، اور تاحیات تحفظ دین وشریعت کے اس عظیم کام سے وابستہ رکھے۔ آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ آمین

گوشۂ سیرت

بدر میں امیہ بن خلف کے قتل کی پیش گوئی

از: مرتب*

حضرت عبداللہ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت سعد بن معاذؓ بہ نیتِ عمرہ مکہ تشریف لے گئے، امیہ بن خلف بن صفوان کے ہاں ٹھیرے، کیوں کہ امیہ بن خلف جب شام کا سفر کرتا تو مدینہ سے گذرتے وقت سعد بن معاذؓ کے پاس قیام کرتا تھا، امیہ نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ دن چڑھے تب طواف کر لینا، اس وقت لوگوں کو بھی دھیان نہیں رہے گا۔ (کہ کون طواف کر رہا ہے؟)

چناں چہ جب حضرت سعدؓ دوپہر کے وقت طواف فرما رہے تھے، اسی اثنا میں ابوجہل آ پہنچا، پوچھا: کون خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا ہے؟ حضرت سعدؓ نے فرمایا، میں سعد، اس نے کہا: تو محمد اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دے کر یہاں اطمینان سے طواف کر رہا ہے؟ حضرت سعدؓ نے کہا: ہاں!، دونوں میں بحث وتکرار اور لڑائی جھگڑا ہونے لگا، اُمیہ نے حضرت سعدؓ سے کہا: ابوالحکم (یعنی ابوجہل) کے مقابلے میں آواز اونچی مت کرو وہ اس وادی کا سردار ہے۔ حضرت سعدؓ نے جواباً فرمایا: اگر تو مجھے طواف سے روکے گا، واللہ میں شام میں تیری تجارتی دوکان تباہ کردوں گا، امیہ پھر سے حضرت سعدؓ سے کہنے لگا آواز بلند مت کرو، اور اُنہیں خاموش کرنے کی کوشش کرنے لگا، حضرت سعدؓ اور غضب ناک ہوئے۔ اور کہا تو ہمارے بیچ سے ہٹ جا، اس لئے کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا وہ تجھے قتل کریں گے۔ اس نے (حیرت سے) پوچھا: مجھے۔۔۔۔!!! حضرت سعدؓ نے کہا: ہاں! تجھے، کہنے لگا: تب تو یہ ہو کر رہے گا کیوں کہ بہ خدا محمد کبھی جھوٹ نہیں کہتے۔ امیہ بیوی کے پاس جا کر یثربی بھائی حضرت سعد کا بیان سنایا تو بیوی بھی کہنے لگی: بہ خدا محمد جھوٹ نہیں کہتے۔ (یعنی یہ ہو کر رہے گا)

جب لوگ بدر کے لئے نکلے اور منادی کی شرکتِ جنگ کے لئے آواز آئی، تو اس کی بیوی نے کہا، یاد ہے تمہارے یثربی بھائی نے کیا کہا تھا؟ اُمیہ بولا پھر تو میں نہیں جاؤں گا، ابوجہل نے کہا: تم سرداروں میں سے ہو، ہمارے ساتھ ایک دو دن کے لئے چلنا پڑے گا، چناں وہ اُن کے ساتھ نکلا اور مارا گیا۔ (دلائل النبوۃ: ۳/ ۱۷)

* استاذ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت سہیلہ بنت مسعود انصاریہؓ

(زوجہ محترمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

یہ نہایت عظیم اور بلند رتبہ صحابیہ ہیں، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ہیں، بعض روایتوں میں ان کا نام ''سہیمہ'' لکھا ہے، ان کی دیگر بہنوں میں حضرت عمرہ بنت مسعود، حضرت عمیرہ بنت مسعود، حضرت ام سلمہ بنت مسعود اور حضرت حبیبۃ بنت مسعود رضی اللہ عنہن یہ سب ان کی بہنیں ہیں جو قبول اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔

نام ونسب اور خاندانی پس منظر: ان کا نام ''سہیلہ'' یا ''سہیمہ'' ہے، والد اوس بن مالک بن سواد بن ظفر ہیں، والدہ محترمہ شموس بنت عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام ہیں، جو قبیلہ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے خالہ زاد بھائی جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام سے نکاح کیا، جن سے ان کو دو اولاد عبدالرحمن اور ام حبیب تولد ہوئے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/۲۵۶، سہیمہ بنت اسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ازدواجی حالات

سہیلہ کے پہلے شوہر غزوہ احد سے پہلے انتقال کر گئے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش کیا تھا، انہوں نے اپنے پیچھے حضرت جابرؓ کے علاوہ چھ (بروایت دیگر نو یا دس) خرد سال بیٹیاں چھوڑی تھیں، ان کی صحیح پرورش و پرداخت اور نشوونما کے لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت سہیلہ بنت مسعودؓ سے نکاح کر لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو حضرت جابرؓ سے فرمایا: ''جابر! تم نے ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے اگر کسی کنواری سے نکاح کرتے تو وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے'' ''ھلا جاریۃ تلاعبھا و تلاعبک'' (صحیح بخاری، باب تزویج الثیاب، حدیث: ۵۰۸۰)

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کی درخواست: حضرت سہیلہؓ کو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی، وقتاً فوقتاً اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدعو کرتی تھیں، بڑے ذوق وشوق سے کھانا تیار کرتیں، نکاح کے کچھ زمانے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے شہید والد کے قرض ادا کرنے میں مدد کے حصول کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں تشریف لے گئے، حضرت جابرؓ نے اپنی بیوی کو تاکید کی تھی کہ ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ بات نہ کرنا اور نہ کسی چیز کا سوال کرنا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے پر انہوں نے ایک بکری کا بچہ یا مرغی ذبح کی، آپ نے کھانا تناول فرما کر ارشاد فرمایا: اے جابرؓ! ایسا لگتا ہے جیسے تم لوگ گوشت سے میری محبت اور پسند کو جانتے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلنے لگے تو سہیلہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لئے اور میرے شوہر کے لئے رحمت کی دعا کیجئے، اس پر آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان دونوں پر اپنی رحمت نازل فرما: ''اللھم صل علیھم'' (مسند احمد: مسند جابر بن عبداللہ، حدیث: ۱۴۲۴۵)

غزوہ خندق کا واقعہ: غزوۂ خندق میں ایک دن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین دن کا فاقہ ہے اور آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا ہے، تڑپ اُٹھے اور اسی وقت گھر جا کر حضرت سہیلہؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقہ سے ہیں، کچھ ہو تو پکاؤ، ایک صاع جَو گھر میں موجود تھے، حضرت سہیلہؓ نے فوراً پیس کر آٹا گوندھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بکری کا ایک بچہ ذبح کرا کے گوشت دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیا، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لینے چلے، حضرت سہیلہؓ بڑی غیور اور خوددار خاتون تھیں، بولیں: دو تین آدمیوں کا کھانا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ لوگوں کو نہ لانا ایسا نہ ہو کہ ہمیں خفت اٹھانی پڑے'' حضرت جابرؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چپکے سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کے لئے کھانے کا نظام کیا ہے اور آپ چند ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دعوت قبول فرمالی؛ لیکن ساتھ ہی عام منادی کرادی کہ جابرؓ نے سب اہل خندق کی دعوت کی ہے، حضرت جابرؓ بڑے پریشان ہوئے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب سے خاموش رہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چولہے سے دیگچی نہ اتارنا اور جب تک میں نہ آؤں، آٹا نہ پکانا، پھر آپ تمام اہل خندق کے ہمراہ حضرت جابرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور کھانے میں برکت کی دعا کی، اس کا اثر یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابہ کرامؓ نے سیر ہو کر کھانا کھایا؛ لیکن پھر بھی کھانا بچا رہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ن، حضرت سہیلہ سے فرمایا: ''یہ تم کھاؤ اور لوگوں کے یہاں بھیجو کیوں کہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں'' ''کلی ھذا، و أھدی، فإن الناس أصابتھم مجاعة''۔

(صحیح البخاری، باب غزوۃ الخندق وھی الأحزاب، حدیث: ۴۱۰۱)

وفات: حضرت سہیلہ رضی اللہ عنہا کے اس سے زیادہ احوال کتب تاریخ وسیر میں نہیں ملتے۔

اصلاحی مضامین

ماں کی محبت رب کی محبت کا آئینہ ہے

از قلم: مولانا عارف غازی

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ایک دن ایک راستے سے گزر رہا تھا اتفاق سے میری نظر ایک گھر پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ایک ماں اپنے بیٹے کو مار رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ تو نافرمان بن گیا ہے، تو ہماری کوئی بات بھی نہیں مانتا ہے، تو گھر سے چلا جا۔ لہذا جب ماں نے اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا تو دس سال کا چھوٹا سا بچہ روتے ہوئے گھر سے نکلا اور موڑ تک گیا، جب وہ موڑ تک پہنچا تو وہاں پر ٹھہر کر اپنے دل میں یہ سوچنے لگا کہ میں تو یہاں سے دوسرے شہر چلا جاؤں گا، وہاں جانے کے بعد میں لوگوں کے جوتیاں صاف کروں گا اور کسی بازار میں ٹھہر کر لوگوں سے بھیک مانگ لوں گا، لہذا میری زندگی اسی طرح گزر جائے گی لیکن ماں کی جو محبت ہے وہ پوری دنیا میں کہیں بھی نہیں مل سکتی ہے، جب بچے نے اپنے دل میں اس طرح سوچا تو وہ گھر لوٹ آیا، بچے کی ماں نے گھر کا دروازہ بند کر دیا تھا اسی وجہ سے بچہ دروازے کے پاس ہی سو گیا، تھوڑی دیر کے بعد بچے کی ماں نے کسی کام کے لئے دروازہ کھولا تو اس نے اپنے بچے کو سوتے ہوئے دیکھ کر اسے بیدار کیا اور اب تک ماں کا غصہ ختم نہیں ہوا تھا اسی لئے پھر اس کو مارا اور اس سے یہ کہا کہ تو اب تک یہاں سے نہیں گیا؟ تو بچے نے کہا: اے میری پیاری امی جان! میں آپ کے کہنے پر یہاں سے چلا گیا تھا، جب میں موڑ تک گیا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں تو یہاں سے دوسرے شہر چلا جاؤں گا، اور وہاں جانے کے بعد میں لوگوں کی جوتیاں صاف کروں گا اور کسی بازار میں ٹھہر کر لوگوں سے بھیک مانگ لوں گا، اسی طرح میری زندگی گزر جائے گی لیکن تیری جو محبت ہے وہ پوری دنیا میں کہیں بھی نہیں ملے گی، اس لئے میں واپس گھر لوٹ آیا، جب ماں نے اپنے بیٹے کی اس بات کو سنا تو وہ رو پڑی اور اپنے بیٹے کو سینے سے چمٹا لیا، اور اسے بوسا دیکر کہا اے میرے پیارے بیٹے آج کے بعد سے تو اس گھر کو چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جائے گا، آج سے تو اس گھر میں رہے گا، کھائے گا، پیے گا، جو جی چاہے وہ کرے گا، لیکن اس گھر کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا،

ان تمام مناظر کو دیکھ کر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بندوں کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے پروردگار سے

اسی طرح بھیک مانگے کہ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں اگر تو بھیک نہیں دے گا تو دنیا میں ایسا کوئی بادشاہ نہیں جو عطا کرسکتا ہے، ہاں اگر دنیا کے کسی بادشاہ سے سوال کیا جائے تو وہ مال دے سکتا ہے، دولت دے سکتا ہے، خزانہ دے سکتا ہے، لیکن وہ اس چیز کو نہیں دے سکتا ہے جو صرف تو ہی عطا کرسکتا ہے یعنی وہ گناہ معاف نہیں کرسکتا ہے، اور جنت جیسی نعمت جس میں بے شمار نعمتیں ہیں اس کو بھی وہ نہیں دے سکتا ہے اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں جو وہ عطا نہیں کرسکتا ہے، صرف تو ہی عطا کرسکتا ہے، اگر بندے اللہ سے اسی طرح روتے ہوئے گڑ گڑاتے ہوئے بھیک مانگے تو اللہ کیوں نہیں عطا کریگا؟ جبکہ اللہ نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرمایا: ''اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ '' (سورۃ المؤمن: آیت 60) جب ایک ماں کی محبت نے اپنے بیٹے کو معاف کر دیا تو سوچئے اللہ رب العلمین جو ماں سے کئی گنا زیادہ محبت کرنے والے ہے، تو اس کی محبت کیوں بندے کو معاف نہیں کرسکتی ہے؟ اس کے باوجود بھی دور حاضر کے مسلمان نہ مسجد کی طرف آتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، اور اگر نماز پڑھ بھی لیں تو نماز کے بعد مسجدوں سے اس طرح تیزی کے ساتھ نکل جاتے ہیں گویا کہ ہم کو اللہ سے دشمنی اور سخت نفرت ہے، تھوڑی دیر کے لئے بھی ذکر الٰہی نہیں کرتے اور اللہ کو اس بات کا گواہ بھی نہیں بناتے کہ اے اللہ! ہم کو تجھ سے محبت ہے، دشمنی اور عداوت نہیں ہے، یعنی تھوڑی دیر اللہ کے گھر میں بیٹھ کر اس کا ذکر اور اس کی تعریف کر کے یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم کو تجھ سے محبت ہے، جبکہ اللہ نے ان کے بارے میں ذکر فرما چکے ہے، ارشاد خداوندی ہے: ''خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ'' (سورۃ الأعراف آیت: 31) اس آیت کریمہ سے مسجد میں آنے کا حکم ثابت ہوتا ہے، اور ایک دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ'' (سورۃ البقرہ 43) اس آیت کریمہ سے نماز قائم کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے، اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا'' (سورۃ الاحزاب 41) اس آیت کریمہ سے ذکر الٰہی کثرت سے کرنے حکم ثابت ہوتا ہے، ذرا سوچئے ایک دس سال کا چھوٹا سا بچہ جس کی ماں نے اسے گھر سے یہ کہکر نکال دیا کہ تو گھر سے چلا جا، پھر بھی وہ اپنی ماں کی محبت میں گھر واپس لوٹ آیا، ہمیں تو اللہ اپنے گھر بلا رہے ہیں، پھر بھی ہم نہیں جاتے ہیں، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمیں اپنے پروردگار سے کتنی محبت ہے، ہمیں اللہ کی جانب سے جس کام کے کرنے کا حکم ملا ہے، اس کو انجام دیکر اس کی اطاعت کرنے کے بجائے، اس کو انجام نہ دیکر اس کی نافرمانی کر رہے ہیں، ہر طرف سے ہم اس کی نافرمانی کر رہے ہیں، تو ہم پر مصیبتیں نہیں آئیگی تو اور کیا آئیں گی؟ کبھی کرونا وائرس کے نام پر ہم پر مصیبتیں آتی ہیں، تو کبھی مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کی صورت میں، اسی طرح کئی مصیبتیں ہم پر ہمارے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہیں، یاد رکھنا چاہئے کہ جو مصیبتیں ہم پر آتی ہیں اس کی دو وجہ

ہوسکتی ہیں، ایک تو ہمارے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ہم پر مصیبتیں آتی ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورۃ الروم 41) اسی طرح ایک دوسری جگہ اللہ رب العلمین نے فرمایا: "وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ سورۃ الشوریٰ:30)

معلوم ہوا کہ ہمارے ہی گناہوں کے سبب ہم پر مصیبتیں آتی ہیں، اور کبھی من جانب اللہ آزمائش ہوتی ہے، اللہ اپنے نیک بندوں کو ان پر مصیبتیں بھیج کر آزماتا ہے، تاکہ اللہ دیکھے کہ مصیبت آنے پر بندہ کیا کرتا ہے، جیسا کہ اس دور میں اللہ نے ہمارے فلسطینی مسلمان بھائیوں پر جو مصیبتیں ڈالی ہیں، اس کا مقصد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ ان کو آزمانا چاہتے ہیں، جیسا کہ اللہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمایا کرتے تھے، اور جو لوگ ان مصیبتوں پر صبر کرکے اپنے آپ کی حفاظت کریں گے، اللہ ان کے لئے بہترین بدلہ رکھا ہے، اللہ انھیں وہ بدلہ دے کر ہی رہیں گے، ارشادِ خداوندی ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (سورۃ البقرہ:155) اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کبھی مصیبتیں دیکر بندوں کو آزماتا ہے، اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن پر مصیبتیں بھیج کر اللہ آزمائش میں ڈال رہا ہے، یا ہم ان میں سے ہیں جن کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبتیں بھیجی جاتی ہیں۔

دورِ حاضر کے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے ہوئے ان کی اطاعت کریں، اور ان کی نافرمانی سے باز رہیں، اسی طرح مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کریں تاکہ اس کی پریشانی اور بے چینی ختم ہوسکیں، اللہ کا فرمان ہے، "أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" (سورۃ الرعد:28) کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

نہ دنیا سے نہ مال و دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
دل کو تسلی ملتی ہے صرف خدا کو یاد کرنے سے

اللہ کی اطاعت اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

خدا کی اطاعت میں ہے حقیقت کا راز
جو خود کو اللہ کے حوالے کردے وہی سرخرو ہوگا

دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم سے مصیبتوں کو ختم کرکے ہمیں چین و سکون کی زندگی عطا فرمائے، آمین یارب العلمین۔

اصلاحی مضامین

انجینئر محمد علی مرزا جہلمی کے فتنہ کا رد کیوں؟؟

ایک غلط فہمی کا ازالہ

از: مولانا محمد انصار اللہ قاسمی*

انجینئر محمد علی مرزا جہلمی پڑوسی ملک کے ایک نام نہاد اور خود ساختہ مذہبی اسکالر ہیں، اپنی پراگندہ اور خانہ ساز مذہبی سوچ وفکر پر مبنی واہیات قسم کے بیانات کی وجہ سے سوشل میڈیا پر چرچے میں رہتے ہیں، علماء کرام جب اس شخص کی کم علمی اور کج فہمی پر رد کرتے ہیں، تو خیال ہوتا ہے کہ ہمارے علماء دین کو اس شخص کے منہ نہیں لگنا چاہیے، یہ ان کے عالمانہ وقار کو زیب نہیں دیتا کہ ایک ایسے شخص کے رد میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا جائے جس کو گفتگو کا سلیقہ اور ڈھنگ نہیں ہے، جو اپنی گفتگو میں انتہائی بیہودگی اور مسخرہ پن کا مظاہرہ کرتا ہے، اس شخص کی مذہبی معلومات نہایت ہی گھٹیا اور سطحی قسم کی ہوتی ہیں، کوئی سنجیدہ اور شریف آدمی اس کے منہ نہیں لگتا۔

اگر عصری علوم وفنون میں اس جیسا کوئی شخص ہوتا تو کوئی ڈاکٹر، انجینئر، وکیل اور پروفیسر اس سے الجھنے کو اپنے لیے کسر شان اور اپنے پیشہ ورانہ علم وفن کی عظمت اور وقار کے خلاف سمجھتا ہے لیکن ایک بے چارہ مولوی ہے جو ہر کس وناکس کو جواب دینا ضروری سمجھتا ہے اور گستاخی معاف!! علماء کے اس عمل سے علم دین کی عظمت اور وقعت مجروح ہوتی ہے۔ یہ خیال اپنی جگہ ہے لیکن جب گہرے غور وفکر اور تجزیہ کے بعد انجینئر محمد علی مرزا جہلمی کے رد میں علماء دین کی کاوشوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی تو خیال نے ایک نئی کروٹ لی اور احساس ہوا کہ علماء دین کی یہ کوششیں ان کے فرضِ منصبی کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ نہایت ضروری بھی ہے، اس سلسلہ میں دو تین باتوں سے رہنمائی ملتی ہے:

قرآن مجید میں مچھر کی مثال

1) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالی مچھر یا اس سے بھی گئی گزری حقیر چیز کی مثال دینے میں نہیں شرماتے، إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (البقرہ:26) مطلب یہ کہ شرک و بت پرستی جیسے عقائد کی تردید اور اس کے بطلان کو ظاہر کرنے اور سمجھانے کے لیے مچھر اور اس سے بھی گئی گزری

* آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ تلنگانہ وآندھرا پردیش واستاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

حقیر چیزوں کی مثال دینی پڑی تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے، اس کو سامنے رکھ کر سمجھا جا سکتا ہے کہ گمراہ افکار و نظریات کو پھیلانے والا چاہے کتنا ہی نامعقول کیوں نہ ہو اور اس کے علم وفہم کا لیول مچھر کے برابر یا اس سے بھی گیا گذرا کیوں نہ ہو، اس کے افکار ونظریات کی گمراہی کو سمجھانے اور ان کا رد کرنے میں علماء دین کو شرم و عار نہیں ہونا چاہیے کہ ''ارے بھائی!! یہ کتنا بُرا وقت آ گیا کہ انجینئر محمد علی مرزا جہلمی جیسے جہلاء سے ہمیں بحث کرنی پڑ رہی ہے''۔

دین کے پہرہ دار

2) حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم دین کے وارث ہر دور میں ایسے عادل اور معتبر لوگ ہوں گے جو دین میں غلو کرنے والوں کی مبالغہ آمیز باتوں اہل باطل کی کذب بیانی کو اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے ''یَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِين'' (کتاب العلم، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح) مطلب یہ کہ دین وشریعت میں غلو، تحریف، تاویل جس قسم کا بھی ردوبدل ہو اور یہ ردوبدل کرنے والے کتنے ہی گئے گزرے جاہل کیوں نہ ہو، علماء برابر اس کا رد کریں گے، جاہلانہ باتیں کہہ کر اس کو نظر انداز نہیں کریں گے، بہرحال دین کی حفاظت کرنے کے لیے گمراہ اور باطل افکار ونظریات کا رد کرنا علماء دین کا فرضِ منصبی ہے، گویا وہ دین کے محافظ اور پہرے دار ہیں، کسی بھی عمارت یا گودام کی حفاظت پر مامور سیکورٹی گارڈ ہر چور اور ڈاکو کو اپنی گرفت میں لیتا ہے، اس کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ ڈاکہ ڈالنے والا ''رستم پہلوان'' ہے یا ''مچھر پہلوان'' اور چوری کرنے والا انتہائی شریف سنجیدہ مزاج اور عالم فاضل ہے، یا پھر انجینئر محمد علی مرزا جہلمی جیسا جاہل گنوار اور ان پڑھ ہے، اس کو صرف اپنا فرض پورا کرنے سے مطلب ہے۔

نوجوانوں کا ایمان بہ مقابلہ عالمانہ وقار

3) علماء دین کو اپنے ''عالمانہ وقار'' سے زیادہ امت کے نوجوانوں کا ایمان عزیز ہے، اسلامی تاریخ میں انجینئر علی مرزا جیسے کامیڈین اسلامی تعلیمات اور شخصیات کا مذاق اڑانے کے لیے پیدا ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے، سوال اُن نوجوانوں کا ہے، جو اس کی کامیڈی سے لطف اندوز ہونے کی چکر میں ایمان سے محروم ہونے کے درپہ ہے، اندازہ لگائیے!! جب نوجوان اس شخص کے پروگرام میں نہایت ہی بھونڈے طریقہ پر اور مزاحیہ انداز میں صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ ؒ سے متعلق طنزیہ جملے اور فقرے سنیں گے تو کیا ان نوجوانوں کے دلوں میں ان بزرگوں اور برگزیدہ ہستیوں کا ادب واحترام باقی رہے گا؟؟ پھر جب ان کا ادب واحترام اور عقیدت ومحبت دلوں میں باقی ہی نہ رہے تو کیا صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کی قربانیوں اور مجاہدوں کے نتیجہ میں ان تک پہونچنے والا ایمان محفوظ رہ سکتا ہے؟؟ اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے بعید نہیں کہ علمائے

دین کی اس محنت وکوشش سے انجینئر محمد علی مرزا سے متاثرہ نوجوانوں کو اپنی غلطی وغلط فہمی کا احساس ہوگا، وہ اپنی بدگمانی وبدعقیدگی کے خول سے باہر آئیں گے، صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ کی عقیدت وعظمت اپنے دلوں میں بسا کر پھر سے وہ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوجائیں گے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر ایک آدمی بھی تمہارے ذریعہ ہدایت پر آجائے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں کے مل جانے سے بہتر ہے (صحیح بخاری حدیث نمبر 4210) ہدایت کا مطلب محض غیر مسلم کا اسلام قبول کرنا نہیں ہے بل کہ یہ اپنے حقیقی معنی ومفہوم میں کسی غلط اور گمراہ عقیدہ کو چھوڑ کر سچے اور صحیح عقیدہ کو تسلیم کرنا ہے، غیر مسلم بھی حقیقت میں اپنے سابقہ گمراہ عقیدہ کو چھوڑ کر اسلام کے سچے عقیدے کو قبول کرتا ہے۔

حفاظت دین بہ مقابلہ عالمانہ وقار

4) علماء دین کے جس ''عالمانہ وقار ومرتبہ'' کی دہائی دے کر انجینئر علی مرزا کے رد میں ان کی تقاریر اور تحریروں کو غیر ضروری سمجھا جارہا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ''عالمانہ وقار اور علمی مقام ومرتبہ'' کس کا مرہون منت ہے؟ یہ علم دین کی وجہ سے ہے، اگر علم دین کی نسبت نہ ہوتی تو کہاں کا عالمانہ وقار اور کیسا علمی مقام مرتبہ!! اب جب انجینئر علی مرزا اپنے کو ''علمی کتابی'' کہہ کر علم دین کی دھجیاں اڑا رہا ہے اور اس کی آبرو سے کھیل رہا ہے، تو کیا ہمارے علماء کو خاموش رہ جانا چاہیے؟ یا پھر اس علم دین کی نسبت کی لاج رکھنے اور اس کی قیمت چکانے کے لیے اس شخص کے گمراہ افکار وخیالات کا بھرپور رد کرنا چاہیے؟ سماج میں کوئی آدمی کتنا ہی شریف معزز اور خاندانی کیوں نہ ہو، اگر کوئی شریر اس کے ساتھ چھیڑ خانی کرے تو وہ لکھنوی انداز اور لب ولہجے میں اس کو جواب نہیں دیتا کہ ''آپ نے ہمارے ساتھ غلط کیا، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، ہمیں آپ سے ایسی امید نہیں تھی'' وغیرہ، وہ اپنی خاندانی شرافت اور سماجی عزت کو بالائے طاق رکھ کر اس شریر کو اچھی طرح سبق سکھاتا ہے۔

اختتام

غرض یہ کہ گمراہ اور باطل عقائد ونظریات کے رد میں سرگرم علماء دین قرآن مجید کی اس آیت وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے ہیں) پر عمل پیرا ہوکر شاعر کے اس پیغام کو بھی پیش نظر رکھیں:

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی پاسبانی
میں اسی لیے عالم، میں اسی لیے نمازی

فکر ونظر

کیا مسلمانوں کے لئے ''وندے ماترم'' قابل قبول ہوسکتا ہے؟؟؟

از: مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی*

اس وقت ملک میں جو جماعت برسر اقتدار ہے؛ اس نے اپنی بنیاد ہی مسلمانوں سے اختلاف پر رکھی ہوئی ہے، وہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگل کر، مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو اکسا کر اپنی سیاسی بساط کو مضبوط کرتی جارہی ہے، بلکہ ہر وہ کام کرتی ہے جس سے ملک کی جمہوریت کا خاتمہ ہو، جہاں ہندو مسلمان یکجہتی، فرقہ وارنہ ہم آہنگی اور بقائے باہم نہ رہے، ملک کی واقعی ترقی اور فلاح وبہبود سے اس کو کوئی سروکار نہیں، ہمارا ملک ہمیشہ ہی سے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی آماجگاہ رہا ہے، یہاں ہمہ جہت تہذیب وثقافت کو کبھی بھی ختم کیا جاسکا نہ کیا، جاسکتا ہے، نہ کیا جاسکے گا، یہاں وقتیہ طور پر ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اکسا کر ووٹ تو بٹورے جاسکتے ہیں، حکومت کی کرسی آجاسکتی ہے، لیکن مسلمانوں کو نظر انداز کرنا، مسلمانوں کو ہراساں کرنا، مسلمانوں کو جو ملک کی بڑی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں، انہیں حاشیہ پر رکھ دینا اور ہر دم اس بات کے لئے کوشاں اور سرگرداں ہونا کی کسی طرح مسلمانوں کو سراسیمہ کرکے ملک کے باسیوں میں تفرقہ بازی، عدم یکجہتی اور فرقہ واریت کا ماحول پیدا کرنے کی مذموم کوشش ہے تاکہ ملک میں دائمی اور ابدی طور پر حکومت سازی کے خواب دیکھے جاسکیں۔

اس وقت جو بحث زبان زد عام وخاص ہے، وہ ''وندے ماترم'' کا گیت ہے، بنگال جیتنے کے بعد ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے حکومت نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ''وندے ماترم'' کو ''راشٹر گان'' کا درجہ دیا جائے، جس میں کابینہ نے یہ بھی منظوردی ہے کہ ''جن گن من'' قبل ''راشٹر گان'' یعنی وندے ماترم ہوگا، اس پر اعتراض کرنے یا اس میں رخنہ اندازی کرنے پر جرم وسزا کے التزام کی بھی بات کہی گئی۔

یہ فیصلہ مغربی بنگال اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کی جیت کے بعد وزیر اعظم کی صدارت میں کابینہ کی پہلی میٹنگ میں لیا گیا، اس اجلاس میں ''پریوینشن آف انسلٹس ٹو نیشنل آنر ایکٹ ۱۹۷۱'' میں ترمیم کی تجویز بھی پیش کی گئی۔ جس میں مرکزی وزارت داخلہ نے ریاستوں اور دیگر سرکاری اداروں کو ہدایات دی کہ وہ ''وندے ماترم'' کے تمام چھ بند جو تین منٹ سے کچھ زیادہ طویل ہوتے ہیں، ان کو سرکاری تقریبات میں گایا

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

بجایا جانا چاہئے۔لیکن مسلمانوں پر ''وندے ماترم'' کا لزوم یہ ہندوستانی آئین ودستور اور دستور سے حاصل شدہ آزادی کے خلاف ہے، حکومت کا یہ فیصلہ غیر جمہوری بھی ہے اور غیر دستوری بھی، اور ہندوستان کے سیکولر اقدار کے خلاف بھی، کیوں کہ ''وندے ماترم'' کے اس گیت میں ہندوؤں کے دیوی دیتاؤں کا ذکر اور ان کی مدح سرائی ہے، ان کی تعظیم وتکریم اور ان کی عبادت کی بات کہی گئی ہے، اس سے ملک کی ایک بڑی اقلیت کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں، کسی مخصوص طبقہ کے مذہبی عقیدہ کو ملک سے محبت کا نام دے کر اس کو تمام ملک کے باشندوں پر مسلط نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان ''کلمات شرکیہ وکفریہ'' کے کہنے کو ملک سے محبت کا پیمانہ قرار دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ یہ مختلف دیوی دیوؤتاؤں کی پرستش اور عبادت اور تعظیم یہ درحقیقت مسلمانوں کے عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔

وندے ماترم اور مسلمانوں کا موقف

یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، لیکن موجودہ حکومت اس کے ذریعہ ہندو مسلم سیاست کو مزید ہوا دینا چاہتی ہے، اس قبل بھی ''وندے ماترم'' کے تعلیمی اداروں میں لزوم کی بات آئی تو اس وقت کے مسلم پرسنل بورڈ کے صدر مولانا ابوالحسن ندویؒ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا تھا، جس کے نتیجے میں اس وقت کی یو پی اے حکومت کو اپنے فیصلہ سے دستبردار ہونا پڑا تھا، اس وقت مولانا کا موقف تھا کہ مسلمان اپنے ملک سے محبت کرتے ہیں، لیکن وہ کسی بھی ایسے ترانہ یا عمل کو قبول نہیں کرتے جو ان کے عقیدۂ توحید کے مغایر ہو، اس لئے جب تک کسی بھی معاملہ میں قانون سازی، یا فیصلہ سے پہلے ملک کے ہر باشندے کے مذہبی جذبات وعقائد کو پیش نظر رکھ کر اس قانون کو ترتیب دیا جائے اس کی وجہ سے ملک میں بقائے باہمی، یکجہتی اور محبت وبھائی چارہ باقی رہ سکتا ہے، بلکہ ملک کی سالمیت، دستور وآئین کے باہمی احترام اور مذہبی آزادی کے تحفظ سے ممکن ہے۔

اس وقت آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ نے بھی اپنی پریس ریلیز میں مرکزی کابینہ کے اس فیصلے کو سختی سے مسترد کردیا ہے جس کے تحت ''وندے ماترم'' کو قومی ترانے ''جن گن من'' کے مساوی درجہ دینے، اس کے تمام چھ بندوں کو لازمی قرار دینے اور تمام سرکاری وتعلیمی اداروں کے پروگراموں میں ''جن گن من'' سے پہلے اس کے پڑھنے کو لازم قرار دیا گیا ہے، بورڈ نے اسے دستور ہند کی بنیادی روح، مذہبی آزادی، سیکولر ادارہ اور کانسٹیٹیوٹ اسمبلی کے تاریخی فیصلوں کے بالکل مغائر قرار دیتے ہوئے حکومت سے یہ مطالبہ کیا ہے وہ فوری طور پر اپنا یہ فیصلہ واپس لے، مزید یہ بھی کہا گیا کہ ایک سیکولر ملک میں کسی مخصوص مذہبی تصور یا عقیدے کو تمام ملک کے شہریوں پر جبرا مسلط کرنا یہ درست نہیں، وندے ماترم کے بندوں میں درگا اور دیگر دیوی دیوتاؤں کی مدح

سرائی اور عبادت کا تصور موجود ہے، جو مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ توحید سے براہ راست متصادم ہے، جب کہ اسلام ایک اکیلے اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ''وندے ماترم'' کے حوالے سے تاریخی ریکارڈ بالکل واضح ہے کہ ۲۶ / اکتوبر ۱۹۳۷ کو رویندر ناتھ ٹیگور نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک خط میں مشورہ دیا تھا کہ ''وندے ماترم'' کے ابتدائی دو بندوں ''قومی گیت'' کے طور پر قبول کیا جائے، کیوں کہ بقیہ اشعار توحید پرست مذاہب کے عقائد سے متصادم ہیں، یہی بنیاد تھی جس پر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ۲۹ / اکتوبر ۱۹۳۷ء کو فیصلہ کیا کہ صرف دو بندوں کو ''قومی گیت'' کے طور پر منظور کیا جائے، اس لئے آج ٹیگور کے نام کے غلط استعمال کے ذریعے اس ''گیت'' کو جبراً مسلط کرنا یا اس کے مکمل گانے کی بات کرنا یہ صرف تاریخی حقائق کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہی نہیں؛ بلکہ ''گروجی ٹیگور'' کی تحقیر بھی ہے۔

وندے ماترم، جنگ آزادی اور حب الوطنی

اس سے قبل بھی ماہ دسمبر/ ۲۰۲۵ کے اوائل میں اس گیت پر ۱۵۰ سال مکمل ہونے پر حکومت نے اس گیت کو عوامی سطح پر مقبول کرانے کے لئے مختلف تقریبات کا انعقاد کرنے کا فیصلہ کیا تھا جس کے لئے پارلیمنٹ میں ۸ / دسمبر کو اس گیت کے متعلق دس گھنٹے کا سیاسی مباحثہ ہوا تھا، اس کے دوران حکومتی ادارے اور نیشنل میڈیا یہ باور کرانے کی ناتمام کوشش کی کہ ''وندے ماترم'' یہ گیت ''حب الوطنی'' کا آئینہ دار اور جنگ آزادی کی نشانی ہے۔

وندے ماترم کے حامیوں کا زور ہمیشہ اس بات پر رہا ہے کہ وہ لوگ اس گیت کو جنگ آزادی کے انقلابیوں کا گیت کہتے ہیں، لیکن سوال یہ بھی ہے کہ کیا جنگ آزادی صرف ہندو سماج کے لوگوں نے لڑی تھی، دیگر مذاہب کے لوگ اس میں شامل نہیں تھے، یہ آزادی کیا خالص مذہبی بنیادوں پر لڑی گئی تھی، بلکہ جنگ آزادی کی ابتداء اس گیت کے لکھنے سے قبل ہی ہو چکی تھی، یہ گیت ۱۸۸۵ء میں لکھا گیا، جب کہ جنگ آزادی کی پہلی لڑائی اس گیت کے وجود میں آنے سے اٹھارہ سال پہلی لڑی گئی، اس وقت اس گیت کے گا یک ''بنکم چندر'' اور ''آنند مٹھ'' ناول کے مصنف انیس سال کے تھے اور کلکتہ کے انگریزی کالج میں پڑھائی کر رہے تھے۔

پہلی جنگ آزادی کے قائدین میں جہاں مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر، جنرل بخت خان اور مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے افراد تھے، تو ہندو سماج کی جانب سے رانی لکشمی بائی، تانتیا ٹوپے اور منگل پانڈے جیسے افراد بھی

شریک جنگ تھے اس وقت ''وندے ماترم'' کا کوئی نام ونشان بھی نہیں تھا، بعد کے زمانہ میں اگر کچھ ہندو مجاہدین جنگ آزادی ''وندے ماترم'' کا نعرہ لگاتے تھے تو مسلمان ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ بلند کرتے تھے، ایک طرف بھگت سنگ، چندر شیکھر، سکھ دیو اور سبھاش چندر بوس جیسے انقلابی سورما تھے تو دوسری طرف مولانا کفایت علی کافی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مولانا وہاج الدین، خان بہادر خان اور مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے مجاہدین آزادی بھی وطن پر اپنی جان نثار کر رہے تھے، وہ الفاظ کے نہیں کردار کے غازی تھے، اس لئے صرف حب الوطنی کے نام پر مسلمانوں پر مذہبی نعرہ تھوپنا کسی بھی طرح جائز نہیں، محبت وطن ہونے کے ثبوت مانگنے والوں کو آج بھی کالا پانی جیل کے دروازے پر علامہ فضل حق خیر آبادی کی قبر ہماری حب الوطنی کو گواہ بنی ہوئی ہے، مسلمان بھی اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں، وہ اپنے الفاظ اور اپنی تہذیب وثقافت کے مطابق اور ہندو بھی اپنی ثقافت اور تہذیب کے پس منظر میں، جذبہ دونوں کا ایک ہی ہے، اپنے وطن سے محبت کا اظہار، اپنے وطن کی حفاظت، اپنے وطن کی فلاح وبہبود، حب الوطنی کے معاملہ میں مسلمان بھی کسی ہندو سے پیچھے رہا ہے اور نہ رہے گا، البتہ اگر زور اس بات پر دیا جائے کہ حب الوطنی کا اظہار صرف انہی لفظوں میں قابل قبول ہے جو ہندو آستھا کے مطابق ہو تو یہ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر محب وطن ہونے کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اسی وطن کی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں، اسی وطن کی مٹی میں مل جاتے ہیں، اس وطن کے مٹی سے تیمم کرتے ہیں، رب اور خداوند قدوس کی عبادت کے لئے اس وطن کی مٹی پر تو سجدہ ریز ہوتے ہیں، گرچہ مسلمان اللہ کے حکم پر سجدہ کرتے ہیں، لیکن سجدہ تو وطن کی مٹی ہی پر کرتے ہیں۔

''وندے ماترم کی حقیقت

وندے ماترم بنگلہ زبان میں لکھا ہوا ترانہ ہے، اسے بھارت کا قومی گیت بھی تسلیم کیا گیا ہے، یہ ترانہ بنگلہ زبان کے شاعر ''بنکم چندر چٹوپادھیائے'' نے لکھا ہے۔ یہ ترانہ پہلی مرتبہ سات نومبر 1875 کو ''بنگ درشن نامی'' ماہانہ رسالے میں شائع ہوا، اس رسالے کے بانی اور ایڈیٹر ''بنکم چندر'' ہی تھے۔ بنکم چندر نے سن 1882 میں ''آنند مٹھ نامی ایک ناول تحریر کیا تھا، اس میں بھی مذکورہ ترانہ شامل تھا۔ یہ ناول بنیادی طور پر مسلم دشمنی پر مبنی ہے، اسی ناول کے ایک حصے میں کچھ افراد اپنی ''دیوی درگا'' کی مورتی کے آگے یہ ترانہ پڑھتے ہیں۔

اشاعت کے اکیس سال بعد کلکتہ میں کانگریس پارٹی کا سیاسی کنونشن منعقد ہوا، اس کنونشن میں پہلی مرتبہ ''روندر ناتھ ٹیگور'' نے اس ترانے کو گایا، جس کے بعد یہ ترانہ بنگال میں اور پھر ملک بھر میں پھیل گیا، کانگریس

نے اس ترانے کو سیاسی طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا، جب اس گیت کو قومیت کی علامت بنا کر پیش کیا جانے لگا تو رونددرناتھ ٹیگور نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے سن 1937 میں سبھاش چندر بوس کو ایک خط لکھا کہ

کی بحث

کوئی گنجائش نہیں ہے، بیشک بنکم نے درگا کو متحدہ بنگال کی ایک علامت کے طور پر پیش کیا ہے، مگر کسی مسلم سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہیے کہ وہ حب الوطنی کے نام پر دس ہاتھوں والی درگا کی عبادت کرے"۔

(بحوالہ: رونددرناتھ کے منتخبہ خطوط، مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی)

یعنی اس گیت کو پڑھنے کے باوجود "رونددرناتھ ٹیگور" اچھی طرح جانتے تھے کہ اس گیت کی بنیاد ہندو دھرم کے عقیدے پر رکھی ہوئی ہے، اس لیے قومیت اور وطنیت کی بنیاد پر کسی مسلمان کا اسے پڑھنا درست نہیں ہوگا؛ اس لیے انہوں نے اس پر اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا کہ مسلمانوں کو اسے پڑھنے پر مجبور نہ کیا جائے، آزادی کے بعد دستور ساز کمیٹی میں ملک کے قومی ترانے کو لیکر مباحثہ ہوا تو کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ وندے ماترم کو بھارت کا قومی ترانہ مقرر کیا جائے اور کچھ لوگوں کا رجحان "جن من گن" کی جانب تھا۔ بحث ومباحثہ کے بعد جن من گن کو بھارت کا قومی ترانہ تسلیم کر لیا گیا؛ مگر چونکہ وندے ماترم کے حامیوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی اور یہ گیت عرصہ دراز سے ہندو عوام میں مستعمل تھا؛ اس لیے اس کے ابتدائی اشعار کو قومی گیت کا درجہ دے دیا گیا۔

وندے ماترم کا مفہوم کیا ہے؟

ان دنوں ایسا ماحول بنایا جا رہا ہے جیسے وندے ماترم ہی حب الوطنی کا پہلا اور آخری سرٹیفکیٹ ہے۔ اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ پہلے ہم اچھی طرح وندے ماترم کے مفہوم ومطلب کو جان لیں۔ وندے ماترم بنگلہ زبان کا ترانہ ہے، ہم اس کے چند اشعار کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں:

۱۔ اے ماں! میں تیری عبادت کرتا ہوں۔ جو اچھے پانی، پھلوں اور فصلوں سے بھرپور ہے۔ جس کی ہوا جنوبی پہاڑوں سے آنے والی ٹھنڈی اور بھینی بھینی خوشبو کی طرح ہے۔ جس کی دھرتی ہری بھری فصلوں سے لہلہا رہی ہے۔ اے ماں! میں تیری عبادت کرتا ہوں۔

۲۔ وہ جس کی رات کو چاند کی روشنی زینت دیتی ہے۔ وہ جس کی زمین کھلے ہوئے پھولوں سے، سجے ہوئے درختوں سے مزین ہے۔ ہمیشہ ہنسنے والی، میٹھی زبان بولنے والی، راحت دینے والی، برکت دینے والی ماں! میں تیری عبادت کرتا ہوں۔ اے میری ماں!

۳۔تیس کروڑ لوگوں کی پر جوش آوازیں، ساٹھ کروڑ بازو میں سمیٹنے والی تلواریں، کیا اتنی طاقت کے بعد بھی تو کمزور ہے، اے میری ماں!

٤۔تو ہی میرے بازو کی قوت ہے، میں تیرے قدم چومتا ہوں۔اے میری ماں۔

٥۔تیری ہی محبوب مورتی مندر میں ہے، تو ہی درگا، دس مسلح ہاتھوں والی، تو ہی کملا ہے، تو ہی کنول کے پھولوں کی بہار ہے، تو ہی پانی ہے، تو ہی علم دینے والی ہے۔میں تیرا غلام ہوں، غلام کا غلام ہوں۔

٦۔اچھے پانی اچھے پھلوں والی میری ماں، میں تیرا بندہ ہوں اے میری ماں۔

اس نظم میں ''وندنا'' کا لفظ بار بار استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی آتے ہیں: پوجا کرنا، غایت درجہ عقیدت کا اظہار کرنا، پرارتھنا کرنا، دعا کرنا، پرنام کرنا، سلام کرنا۔لیکن یہ لفظ زیادہ تر دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے لئے استعمال ہوتا ہے، مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں شیو وندنا، درگا وندنا، سرسوتی وندنا، یعنی بھگوان کی پوجا، پرارتھنا، یا بھگوان کی غیر معمولی تعریف کرنا، اس کے علاوہ ہندو سماج میں ''بھارت'' کو ایک ''دیوی'' کا درجہ دیا جاتا ہے، وید، والمیکی کی رامائن میں اس کے حوالے موجود ہیں، جن میں بھارت کی زمین کو ''دیوی'' اور ''پالنہار'' کہا گیا ہے، اس کے لئے علامتی مورتی بھی استعمال ہوتی ہے، ملک کے مختلف حصوں میں ''بھارت ماتا'' کے مندر بھی بنے ہوئے ہیں۔جنگ آزادی کے عظیم رہنما شری موہن داس کرمچند گاندھی نے سن 1936 میں بنارس میں بھارت ماتا مندر کا افتتاح کیا تھا، اس مندر کو شو پرساد گپتا نے بنوایا تھا۔سن 1973 میں بھارت ماتا کا مندر ہری دوار میں بنایا گیا، جنوری 2017 میں اجین میں بھارت ماتا مندر کا افتتاح کیا گیا اور سال 2024 میں بھارت کے وزیر اعظم نے بھارت ماتا کے احترام میں خصوصی طور پر سو روپے کا سکہ جاری کیا جس پر بھارت ماتا کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ بھارت جو ہمارا وطن ہے وہ ہمارے ہم وطن ہندوؤں کے لیے صرف وطن نہیں بلکہ دیوی کے درجے میں ہے، اس لیے اظہار محبت کے طور پر ان کا بھارت کو دیوی کہنا، اس کی پوجا کرنا، اس کی پالنہاری کے نعرے لگانا ان کے دھرم کے مطابق ہے، لیکن ایسا کرنا کسی بھی طور پر ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کیوں کہ ہمارے یہاں خداوند قدوس کے علاوہ کسی کو خدائی میں شریک ماننا جائز نہیں ہے۔

تذکرۂ اسلاف

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

ازقلم: مولانا محمد طاہر غفرلہٗ قاسمی دھلوی

آپ ہندوستان کے مشہور ومعروف عالم ربانی، حکیم الاسلام، عارف باللہ، شیخ العرب والعجم، بے مثل عظیم خطیب، اکابر دیوبند کے علوم؛ خصوصا علوم قاسمی، علوم شیخ الھند، علوم تھانوی اور علوم عثمانی کے عظیم شارح، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ اور دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز مہتمم تھے۔

ولادت:

آپ کی ولادت باسعادت محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بروز اتوار دیوبند میں ہوئی۔

آپ کا نام نامی محمد طیب تجویز کیا گیا اور تاریخی نام مظفر الدین رکھا گیا۔ اول نام سے آپ نے شہرت پائی۔

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میری پیدائش کے ساتھ ایک بزرگ کی کرامت وابستہ ہے، فرماتے تھے کہ حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ کے پہلے تین اولاد ہوئیں، اور ان تینوں کا بچپن میں انتقال ہوگیا، اس کے بعد ایک مدت تک حضرت حافظ صاحبؒ کے یہاں کوئی اولاد نہ ہوئی، حضرت شیخ الہندؒ کو اس کی زیادہ فکر تھی، ان کی خواہش تھی کہ خاندان قاسمی کا سلسلہ آگے بڑھے، حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبدالاحد صاحبؒ کے والد مولانا عبدالسمیع صاحبؒ کو فتحپور کے ایک صاحب کرامت بزرگ کی خدمت میں بھیجا جو اولاد کے سلسلہ میں مستجاب الدعوات تھے کہ ان سے حضرت حافظ صاحبؒ کی اولاد کے لئے دعاء کروائیں، ان بزرگ نے حضرت شیخ الہندؒ کا پیغام سن کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا، اور پھر سر اٹھا کر ان الفاظ میں بچہ پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی۔ لڑکا ہوگا، حافظ ہوگا، قاری ہوگا، مقتدیٰ ہوگا، عالم ہوگا، حاجی ہوگا، قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ ان بزرگ کے یہ کلمات کسی حد تک تو صادق آہی گئے۔

تعلیم وتربیت:

۱۳۲۲ھ میں سات سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کئے گئے، اور وقت کے ممتاز اکابر علماء بزرگوں کے عظیم الشان اجتماع میں مکتب نشینی کی تقریب عمل میں آئی۔ دوسال کی قلیل ترین مدت میں قرآن مجید قراءت وتجوید کے ساتھ حفظ کیا، حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد درجۂ فارسی میں آپ کو داخل کیا گیا، وہاں سے پانچ سال فارسی اور ریاضی کے درجات میں تعلیم حاصل کر کے عربی کا نصاب شروع کیا جس سے ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں فراغت اور سند فضیلت حاصل کی۔ دوران تعلیم میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ آپ کے ساتھ بوجہ خاندانی شرف اور آبائی نسبت کے شفقتوں ومحبتوں سے پیش آتے تھے اور مخصوص طریق پر تعلیم وتربیت میں حصہ لیتے رہے، حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء واساتذہ سے حاصل ہوئی اور بہت سے بزرگوں کی ہمت اور توجہ آپ کے ساتھ تھی۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ علم حدیث میں آپ کے خاص استاذ ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

راہ سلوک:

آپ نے اپنا سلسلۂ بیعت ۱۳۳۹ھ میں اولا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے قائم کیا، تزکیہ و احسان کی منزلیں طے ہی کر رہے تھے کہ پانچ ماہ بعد حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوگئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی طرف رجوع کیا اور تربیت حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۳۴۳ھ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع کیا اور اُنہیں کے زیر تربیت سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کیں ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں حضرت تھانویؒ نے آپ کو خلافت واجازت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس راہ میں بھی اپنی رحمت وفضل سے نوازا تھا اور آپ کے ذریعہ بے شمار ہزاروں افراد کی اصلاح ہوئی اور لاکھوں کو اپنے اپنے فیض علمی وروحانی سے مالا مال کیا، اور ان کی ایمانی وروحانی واحسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا، اور ہزاروں کی بگڑی زندگی سنور گئی، کتنے لوگ آپ کے دست حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ کا حلقۂ بیعت وارشاد ہندوستان سے نکل کر دیگر بلاد وممالک تک پہنچا اور بہت سے لوگوں کو آپ نے اجازت بھی دی، آپ کے خلفاء و مجازین سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند ہی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور درس نظامی کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ذاتی علم وفضل، ذہانت وذکاوت اور آبائی نسبت کے باعث بہت جلد طلبہ کے حلقے میں آپ کے ساتھ گرویدگی پیدا ہوگئی۔ تدریسی زمانہ ۱۳۳۷ھ سے ۱۳۴۳ھ تک رہا۔ اوائل ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں اکابر ومشائخ کے مشورے پر نائب مہتمم کے منصب پر آپ کا تقرر کیا گیا، جس پر اوائل ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء تک آپ اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ کی نگرانی میں ادارۂ اہتمام کے انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ کے انتقال کے بعد آپ کو باقاعدہ طور پر مستقل مہتمم بنایا گیا۔ اور تاحیات ۱۴۸۲ھ تک مسند اہتمام پر فائز رہے۔ سابقہ تجربہ، اہلیت کار اور آبائی نسبت کے پیش نظر یہ ثابت ہو چکا تھا کہ آپ کی ذات میں اہتمام دارالعلوم کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے، چنانچہ مہتمم ہونے کے بعد آپ کو اپنے علم وفضل اور خاندانی وجاہت و اثر کی بنا پر ملک میں بہت جلد مقبولیت اور عظمت حاصل ہوگئی، جس سے دارالعلوم کی عظمت وشہرت کو کافی فوائد حاصل ہوئے۔

دارالعلوم نے آپ کے زمانۂ اہتمام میں نمایاں ترقی حاصل کی اور آپ نے اپنے زمانہ میں دارالعلوم کی شہرت وعظمت کو چار چاند لگا دیئے اور پوری دنیا میں دارالعلوم دیوبند کا نام روشن ہوا۔ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں جب آپ نے انتظام دارالعلوم کی باگ دوڑ ہاتھ میں لی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے جن کی تعداد بڑھا کر آپ نے ۲۳ تک پہنچادی، اس وقت دارالعلوم کی سالانہ آمدنی کا بجٹ 50262 روپیہ سالانہ تھا، آپ کے زمانے میں 26 لاکھ تک پہنچ گیا۔ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں ملازمین دارالعلوم کے عملے میں 45 افراد تھے، آپ نے ان کی تعداد دوسو تک پہنچادی، اس وقت اساتذہ کی تعداد 18 تھی جو بڑھ کر 59 ہوگئی، طلبہ کی تعداد 480 تھی جو آپ کے زمانۂ اہتمام میں دو ہزار تک پہنچ گئی۔ اسی طرح عمارتوں میں بھی نمایاں اضافہ ہوا، دارالتفسیر، دارالافتاء، دارالقرآن، مطبخ جدید، فوقانی دارالحدیث، بالائی مسجد، باب الظاھر، جامعۂ طبیہ جدید، دو منزلہ دارالاقامہ، مہمان خانہ کی قدیم عمارت، کتب خانے کا وسیع وعریض ھال، دارالاقامہ جدید، افریقی منزل، مطبخ کے قریب، تین درسگاہوں کا اضافہ؛ حضرت ممدوح ہی کے دور اہتمام کی تعمیرات ہیں۔

غرض کہ دارالعلوم کے ہر شعبے نے آپ کے دور اہتمام میں نمایاں ترقی کی۔ دارالعلوم کی مجالس انتظامیہ و شوریٰ نے مختلف اوقات میں آپ کی غیر معمولی خدمات کے اعتراف اور اظہار قدردانی کے سلسلے میں متعدد مرتبہ

تجاویز پاس کیں۔ دارالعلوم کی شمع کو روشن رکھنے کے لئے پیرانہ سالی میں بھی جوانوں کی طرح سرگرم عمل رہے۔ عالمی پیمانے پر اسلام اور مسلمانوں کے تئیں دارالعلوم کی خدمات کو متعارف کرانے میں بھی آپ پیش پیش رہے۔ آپ کے دور اہتمام میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے حصول علم کے لئے آنے والے طلبہ کا سلسلہ روز افزوں رہا۔

خدمات وکارنامے:

درس وتدریس کے علاوہ فن خطابت اور تقریر میں بھی آپ کو خداداد ملکہ اور قوت گویائی حاصل تھی اور زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں، اہم سے اہم مسائل پر دو دو تین تین گھنٹے مسلسل اور بے تکلف تقریر کرنے اور ٹھوس علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ اور تکلف نہیں ہوتا تھا۔ حقائق اور اسرار شریعت کے بیان اور ایجاد مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی، جسے آپ کے اکابر واساتذہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دوسری یونیورسٹیوں میں آپ کی تقریریں خاص طور پر مقبول تھیں، بعض معرکۃ الآراء تقریریں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شائع ہوچکی ہیں۔ ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ کی تقریروں کی گونج نہ پہنچی ہو، آپ کی رواں دواں اور دلکش تقریر جب علم کے گہرے سمندر سے گزرتی تھی تو لہروں کا سکوت قابل دید ہوتا تھا۔ جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجلاسوں میں آپ کے خطباتِ صدارت بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے ہیں، آپ کے منتخب علمی خطبات دس جلدوں میں "خطبات حکیم الاسلام" کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔

آپ کی علمی تقریروں سے ایک خاص حلقۂ اثر پیدا ہوا اور بیرون ہند کے علمی حلقوں میں بھی آپ کی خطابت کے اثرات پہنچے۔ آپ کے دارالعلوم کے اہتمام کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کا بھی حق ادا کیا پوری دنیا کے ممالک میں آپ نے متعدد بار سفر کئے اور اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں رہے، آپ کی تقریروں نے ملک و بیرون ملک میں ایک وسیع حلقہ پیدا کیا۔ اور آپ ایک عظیم خطیب، ادیب، محقق، مدبر، محدث، مفسر، متکلم، مصنف اور شیخ کامل تسلیم کئے گئے۔ متعدد بار حج وزیارت کی سعادت حاصل کی اور پورے عالم اسلام میں حکیم الاسلام کے لقب سے شہرت پائی۔

۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں بسلسلۂ سفر حجاز آپ نے ہندوستان کے ایک مؤقر وفد کے صدر کی حیثیت سے سلطان ابن سعود کے دربار میں جو تقریر فرمائی اس نے سلطان کو بہت متأثر کیا، سلطان ابن سعود نے شاہی خلعت اور بیش قیمت کتب کے عطیہ سے اعزاز بخشا۔

۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں آپ کا سفر افغانستان علمی خدمات کی ایک مستقل تاریخ ہے، آپ نے دارالعلوم کے نمائندے کی حیثیت سے دارالعلوم اور حکومت افغانستان کے درمیان علمی وعرفانی روابط قائم کرنے کے لئے یہ سفر اختیار فرمایا تھا۔ افغانستان کے علمی، ادبی، سرکاری اور غیر سرکاری انجمنوں اور سوسائٹیوں نے مدعو کیا تھا۔ آپ کی عالمانہ تقریروں سے وہاں کے علمی اور ادبی حلقے بہت متأثر ہوئے۔ اسی طرح آپ نے پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ملیشیا، برما، عالم عرب، حبش، (ایتھوپیا)، کینیا، مڈغاسکر، جنوبی افریقہ، زنجبار، روڈشیا، ری یونین، انگلینڈ، فرانس، جرمنی، کناڈا، امریکہ وغیرہ ممالک کا دورہ کیا۔

حضرت قاری صاحبؒ ہندوستان کے مؤقر ادارہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مؤسس اور بانی بھی ہیں۔ حکومت ہند کے ذریعہ مسلمانوں کے شرعی قوانین کے تبدیل کرنے یا اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے خلاف ممبئی میں ۱۹۷۲ء میں ایک عمومی کنونشن بلایا گیا جس میں ہندوستان میں امت مسلمہ کے تمام گروہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور اس کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔ حضرت قاری صاحبؒ اس بورڈ کے بانی اور صدر اول مقرر ہوئے اور تاعمر بالاتفاق اس بورڈ کے صدر رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی دلکش شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں، شرافت وانسانیت، سراپا انکسار، پاک باطنی، علم وفضل، خطابت وتقریر، اور وعظ وتلقین، سادگی اور عجز وانکساری، حکیمانہ گفتگو، فصاحت وبلاغت؛ غرض کہ ان کی شخصیت کردار واعمال اور جلال وجمال کا ایک حسین امتزاج تھی۔

علمی یادگاریں:

دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ تصنیف وتالیف سے آپ کو طبعی دلچسپی تھی۔ آپ کا یہ مشغلہ دارالعلوم کے انتظامی معاملات اور اوقات تدریس کے علاوہ ہمیشہ جاری رہا، بالخصوص دوران سفر کے فارغ اوقات اسی میں صرف ہوتے تھے۔ آپ اپنے وقت کے عظیم مصنف تھے، آپ کی تصانیف کی تعداد کافی ہے، مختلف موضوعات پر تقریباً سو سے زائد تصنیفات ہیں، اور ہر کتاب اپنے مواد اور اپنی جامعیت اپنے اسلوب بیان اور اپنے طرز استدلال میں انوکھی ہے، ہر کتاب آپ کی مخصوص طرز تحریر کے ساتھ عالمانہ ومحققانہ مباحث زبان و بیان کی رعنائیوں اور دل آویزیوں سے آراستہ پیراستہ ہے۔ تصنیف وتالیف کا سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا، مختلف دینی علمی اور تاریخی موضوعات پر تقریباً سو سے زائد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رسالے اور کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں جن میں سے بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

(1) التشبہ فی الاسلام (2) مشاہیر امت (3) کلمات طیبات (4) مقامات مقدسہ (5) اطیب الثمر فی مسئلۃ القضاء والقدر (6) سائنس اور اسلام (7) اسلام اور مسیحی اقوام (8) مسئلہ زبان اردو ہندوستان میں (9) دین وسیاست (10) اسباب عروج وزوال اقوام (11) اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (12) الاجتہاد والتقلید (13) اصول دعوت اسلام (14) اسلامی مساوات (15) تفسیر سورہ فیل (16) فطری حکومت (17) فلسفۂ نماز (18) نظریۂ دو قرآن کا جائزہ (19) اسلام میں اخلاق کا نظام (20) خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم (21) حدیث کا قرآنی معیار (22) علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج (23) شرعی پردہ (24) اسلام میں فرقہ واریت (25) آفتاب رسالت (26) حدیث رسول کا قرآنی معیار، وغیرہ۔

شعروشاعری:

اردو شاعری سے اچھی مناسبت تھی، بلند پایہ مصنف اور خطیب ہونے کے ساتھ آپ قادر الکلام شاعر بھی تھے، اور جب کبھی کہنے پر آتے تو چار چار پانچ پانچ سو اشعار پر مشتمل نظمیں کہہ ڈالتے تھے جس پر آپ کے شاعری مجموعۂ کلام (1) "عرفان عارف" (2) جنون شباب (3) ارمغان دارالعلوم، شاھد ہیں۔

آپ کے ہم عصر قریبی ساتھیوں میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ تھے۔

جلسۂ صدسالہ:

۱۹۸۰ء میں آپ کے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس کی چہل پہل آج تک لوگوں کے قلوب میں تازہ ہے، اس تاریخ ساز اجلاس سے دنیا نے دیکھ لیا کہ نہ صرف برّصغیر بلکہ عالم انسانیت پر دارالعلوم دیوبند کے علمی وروحانی فیض کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔ آپ نے کبرسنی اور انتہائی ضعف کے باوجود اپنی وسعت فکری اور انتظامی پختگی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس عالم گیر اجلاس کے ذریعہ فکر دیوبندیت کو عام کیا اور قومی وبین الاقوامی شہرت یافتہ دنیا بھر کی شخصیتوں سمیت عوام وخواص کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی لہروں کے ذریعہ ثابت کردیا کہ دارالعلوم دیوبند ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی تمناؤں کا مرکز بھی ہے۔

۱۹۸۰ء کے بعد جب کبرسنی کی وجہ سے اہتمام کی ذمہ داریاں آپ پر گراں ثابت ہونے لگیں تو آپ نے مجلس شوریٰ میں ایک معاون کی ضرورت کا اظہار فرمایا، چنانچہ حسب درخواست مجلس شوریٰ نے معاون کے طور

پر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ کو منتخب فرمایا، لیکن اس کے بعد ہی دارالعلوم میں اہتمام اور مجلس شوریٰ کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگئی۔ آخر کار حضرت قاری صاحبؒ نے منصب اہتمام سے ازخود کنارہ کشی مناسب سمجھی اور اگست ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم سے قلبی لگاؤ کے اظہار کے باوجود اہتمام کی ذمہ داریوں سے سبک دوش کردئے جانے کی درخواست کی۔ آپ کی پیرانہ سالی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارباب مجلس شوریٰ نے آپ کا استعفیٰ قبول فرمالیا۔ الغرض آپ نے ساری حیات خدمت اسلام اور خدمت دارالعلوم میں گزاری۔

وفات:

۱۹۸۲ء کے اوائل ہی سے آپ کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔ بالآخر 6/شوال 1403ھ مطابق 17/جولائی 1983ء بروز اتوار 88/سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے قوم وملت کی عظیم خدمت انجام دے کر آپ اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔

وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ احاطۂ مولسری میں ادا کی گئی، آپ کے جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان قاسمی میں اپنے جدّ امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

آل انڈیا ریڈیو کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

7/صفر 1404ھ مطابق 13 نومبر 1983ء کی مجلس شوریٰ میں تعزیت کی تجویز پاس کی گئی جس میں کارناموں کو سراہتے ہوئے آپ کی روح کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ تجویز کا ایک اقتباس یہ ہے:

وہ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مایۂ ناز تلمیذ رشید تھے اور علوم باطنی میں ان کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے عظیم المرتبت شیخ کی خلافت حاصل تھی، انہوں نے اپنے سرچشمۂ فیض سے درس وتدریس، موعظت و دعوت اور رشد وصحبت کے مختلف ذرائع سے اپنی طویل عمر میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کو سیراب کیا۔"

(تجویز تعزیت، اجلاس مجلس شوریٰ، 7/صفر 1404ھ مطابق 13 نومبر 1983ء)

(تاریخ دارالعلوم: 235/2، دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ: ص518، تذکرۂ اکابر: ص190، سو بڑے علماء: ص109، ملت اسلام کی محسن شخصیات: ص224)

افاداتِ اکابر

کلماتِ حکمت

مورخہ ۳۰؍ذی قعدہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۱۸ مئی ۲۰۲۶ء کو طبیب الامت، مرجع العلماء والصلحاء حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم (رکن وسرپرست مجالسِ شوریٰ: دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور) کی ادارہ اشرف العلوم، حیدرآباد میں قبیلِ مغرب بابرکت آمد ہوئی۔ آپ نے ادارہ کی مسجدِ اشرف میں نمازِ مغرب ادا فرمائی، بعدازاں طلبہ سے اصلاحی و تربیتی گفتگو فرمائی۔ افادۂ عام کی غرض سے مفتی محمد عبدالملک انس صاحب قاسمی، ناظمِ تعلیمات ادارہ اشرف العلوم نے چند بیش بہا نصائح قارئینِ کرام کے لئے مرتب ہیں۔

دعوتِ فکر وعمل

ارشاد فرمایا: قرآنِ مجید کی آیت ''وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ'' میں اللہ تعالیٰ نے پوری سائنس بیان فرمادی ہے۔ اس میں غور کرنے سے معرفتِ رب نصیب ہوتی ہے اور عمل کی دعوت بھی ملتی ہے۔ اس لیے علم حاصل کرو معرفت کے لیے اور عمل کے لیے۔ مثلاً سورج کی روشنی نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ ضرورت کے بقدر ہو تو نفع دیتی ہے اور ضرورت سے زیادہ ہو تو نقصان پہنچاتی ہے۔ اسی طرح انسان کے اعضاء سے سرزد ہونے والے اعمال، اگر ضرورت کے تحت ہوں تو فائدہ مند ہیں اور بے ضرورت ہوں تو نقصان دہ۔ جیسے ذکر و تلاوت انسان کی روح کی ضرورت ہے، لہٰذا زبان سے یہ کام صادر ہوں تو فائدہ مند ہیں، اور جھوٹ، دھوکہ اور غیبت جو ہر اعتبار سے انسان کے لیے بے ضرورت ہیں، ان میں دنیا کا بھی نقصان ہے اور آخرت کا بھی۔

چنانچہ اسی زبان سے سرزد ہونے والا عمل مضر ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر چیز کا اتنا ہی استعمال اختیار کرنا چاہیے جو انسان کے لیے نافع ہو۔ نفع ونقصان کے اعتبار سے معروفات ومنکرات کی اسی تقسیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اسی کا نام بندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی چیز میں نفع بھی رکھا اور نقصان بھی، اور دونوں کا اختیار بھی دیا، مگر کسبِ نفع کا پابند کیا اور ضرر سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ اسی کو ابتلا کہتے ہیں اور اسی میں کامیاب ہونا ہے۔

اپنے آپ کو دھوکہ نہ دیں

ارشاد فرمایا: جو طلبہ امداد لیتے ہیں اور ان کے پاس اسمارٹ فون بھی ہے، تو ان کے لیے مدرسہ سے امداد لینا کیسے جائز ہوا؟ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے، اور اس سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

تربیت سے اصلاح ہوتی ہے

ارشاد فرمایا: مدارس میں تربیت کا مستقل نظام ہونا چاہیے۔ ہر دوئی میں ایک طالب علم تھا، اسے مدرسہ سے امداد ملتی تھی۔ پھر کچھ دنوں بعد اس کے والد نے اسے کچھ رقم لاکر دی، تو وہ طالب علم خود دفتر میں آکر کہنے لگا: میرے پاس پیسے آگئے ہیں، اب میری امداد بند کردیجیے۔ "یہ تربیت ہی کا اثر ہے"۔

طلبہ کے لیے تین نصیحتیں

۱۔ پڑھائی میں انہماک ۲۔ اساتذہ کا احترام واکرام ۳۔ وقت کا عدمِ ضیاع

اساتذۂ کرام کے لیے تین نصیحتیں

۱۔ نمازوں کی پابندی ۲۔ اوقاتِ کار کی پابندی ۳۔ طلبہ پر شفقت

جہالت کو علم سے اور علم کو عمل سے بدلیں

ارشاد فرمایا: انگریزی کی دو اصطلاحات ہیں: Known Unknown یعنی ''جانا ہوا'' اور ''نہ جانا ہوا''۔ معلوم سے نامعلوم کو پہچاننے کی کوشش کی جاتی ہے، لہٰذا دین کی جتنی باتوں کا علم ہے، ان کی قدر کرتے ہوئے ان باتوں کو بھی جاننے کی کوشش کریں جن کا علم نہیں ہے، پھر عمل کے ذریعے اپنی زندگی کو مزین کریں۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ہونے والے سوالات میں ایک اہم سوال یہ ہوگا: ''**ماذا عمل فیما علم**''

علم، عمل اور معرفت

علوم کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ دینی علوم ۲۔ عصری علوم، پھر دینی علوم کی بھی دو قسمیں ہیں: ۱۔ علومِ آلیہ ۲۔ علومِ عالیہ علومِ آلیہ جو قرآن وسنت تک پہنچنے اور قرآن وسنت کو دوسروں تک پہنچانے میں معاون ہیں۔ ان میں وقت، حالات اور معاشرتی ضرورت کی بنیاد پر تبدیلی ممکن ہے۔ مگر علومِ عالیہ، جو قطعی، حتمی اور نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔ نیز ارشاد فرمایا کہ علومِ عصریہ کی مختلف اعتبارات سے کئی قسمیں ہیں۔ ان میں: **سائیکالوجی** جو انسان کے ذہن، رویّے اور نفسیات سے متعلق علم ہے، اور اس کا کچھ حصہ سائنسی وطبی میدان سے بھی متعلق ہوتا ہے، اس کا حاصل کرنا دین ودنیا دونوں کی بہتری کے لیے مفید ہے۔ اس سے فرد کی تشکیل،

تہذیب اور اصلاح کے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔اسی طرح **فیزیالوجی** (منافع الأعضاء) اس علم سے بھی اللہ کی نعمتوں کا احساس ہوتا ہے اور اپنی ذات کی اصلاح میں مدد ملتی ہے۔اور **بایولوجی** (قدرتی علوم) کے ذریعے معرفتِ رب میں مدد ملتی ہے۔بہر حال،نفسیات کی رعایت،اخلاقِ کریمہ کا مظاہرہ،اور آفاق وانفس میں غور، دراصل وہی علوم ہیں جو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں موجود ہیں، اور آپ ﷺ نے ان کے حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

بگڑتے حالات کا حل

آج پوری دنیا کی پریشانیوں کی وجہ ہماری شامتِ اعمال ہے۔اس جانب توجہ دینے اور اپنے اعمال کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔''إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ''۔نیز حکمت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف پالیسیاں بنانے والوں کے دلوں میں سائنٹفک اور لاجیکل انداز میں اسلام کی حقانیت پیدا کرنے والی سعی کی ضرورت ہے۔ان شاء اللہ اس کا اثر ہوگا۔

درود شریف کا اہتمام ہو

اخیر میں ناظمِ ادارہ حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم کی جانب خصوصیت کے ساتھ متوجہ ہوکر فرمایا کہ درود شریف کا خوب اہتمام ہونا چاہیے،اور اس جانب سب کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔پھر اپنے بارے میں فرمایا:''میں کل جب دہلی سے چلا تو قیام گاہ سے لے کر جہاز کے حیدرآباد میں لینڈ کرنے تک نہ کچھ کھایا نہ پیا،صرف درود شریف پڑھتا رہا،تو الحمد للہ پانچ ہزار مرتبہ درودِ پاک کا ورد ہوگیا''۔

پھر فرمایا:اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ہمیں اس کا باغی بن کر استعمال نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کے نیک بندے بن کر استعمال کرنا چاہیے،یہی تقویٰ ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اتقوا اللہ'' لہٰذا گناہوں اور نافرمانی میں اس کی نعمتوں کو استعمال کرنے سے ڈرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں،ان کا شکر یہی ہے کہ ہم اس کے باغی نہ بنیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی سچی اطاعت کے ذریعے اس کے فرماں بردار بندے بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُم''،اس لیے ہمیں شکر گزار بندہ بننا چاہئیے۔پھر حضرت کی مختصر سی دعا پر اس خوبصورت اور بابرکت نشست کا اختتام عمل میں آیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان قیمتی باتوں کو صحیح طور پر سمجھنے،ان سے استفادہ کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیقِ کاملہ عطا فرمائے۔آمین۔

افاداتِ اکابر

چند ارشادات وملفوظات

افادات: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دل ودماغ کا فرق

دل ودماغ کے فرق واضح کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا: کہ دل اور دماغ میں جو بڑا فرق ہے وہ یہ ہے کہ دماغ ہفت زبان ہے، دل ایک زبان رکھتا ہے، دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، دماغ فارسی جانتا ہے، مسکرت جانتا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتہ پیدا کرو بلند سے بلند فلسفیانہ بخشیں کرو، لیکن دل ایک ہی زبان جانتا ہے، انصاف کی زبان جانتا ہے اور محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے منطق سے نہیں سمجھے گا۔ ہاں اللہ کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا۔ اللہ کے نام سے پکارو دل دوڑ پڑے گا۔ اللہ کے نام کی دہائی دو دل سب کچھ نچھاور کر دیگا۔ دل کو جگا لینے اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستہ پر ڈال دینے اور اس کے ساتھ دل میں انسان کی بھی محبت پیدا کر لینے کے بعد پھر کسی غیر کی کمی کا احساس نہ ہوگا۔ نہ وسائل کی، نہ لطافت کی نہ تنظیم کی، نہ دولت کی۔"

صحبت کا کوئی بدل نہیں

فرمایا: "صحبت کا کوئی بدل نہیں۔ اگر کوئی بدل ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو صحابہ نہ کہا جاتا۔ اولیاء اصفیاء یا اور کوئی خطاب دیا جاتا۔ کثرت عبادت اور ذکر وتسبیح میں تابعین میں بھی لوگ بہت بڑھ گئے تھے لیکن کوئی صحابہ کے مقام ومرتبہ کو نہ پہونچ سکا۔ صحبت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ چند لمحوں میں اس سے جو فائدہ ہوتا ہے وہ کسی بڑی ذہانت سے مطالعہ سے بھی نہیں ہوتا اسی سے حرارت، نورانیت اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اسی سے کسی چیز کا اعتبار اور اس کی قدر وقیمت معلوم ہوتی ہے، جو نہ کتابوں میں ملتی ہے، نہ علم سے حاصل ہوتی ہے۔ گویا نیا ایک چراغ ہے۔ چراغ چراغ سے جلتا ہے۔"

اہل اللہ کے یہاں حاضری کا فائدہ

ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

بزرگوں کے یہاں حاضری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر اپنے حالات پر شرمندگی ہوتی ہے، اور ان کے اخلاق، عبادت، روحانیت کو دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے، اور سارے عیوب و کمزوریاں نظر آجاتی ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا: "صحبت کی تاثیر کے واقعات تواتر سے ثابت ہیں۔"

تصوف کیا ہے؟

ایک مجلس میں فرمایا: "تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہے ہیں بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی احتساب کے وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں، ہمارے اندر اصلیت پیدا ہو جائے اور اس کی اہمیت پیدا ہو جائے، گویا نمک ہے، مگر اس میں نمکینی نہیں ہے شکر ہے مگر اس میں مٹھاس نہیں ہے، پانی ہے مگر اس کے اندر پیاس بجھانے کی صلاحیت نہیں ہے، یہ صلاحیت پیدا ہو جائے۔"

اخلاص اور اخلاق

فرمایا کہ "اللہ کے ساتھ اخلاص اور لوگوں کے ساتھ اخلاق ضروری ہے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اخلاق تو اہل اللہ کے یہاں ہوتے ہیں۔ اور فرماتے لوگ بزرگوں کے پاس کشف و کرامات دیکھنے آتے ہیں جبکہ بزرگوں کے پاس ان کے اخلاق دیکھنے آنا چاہئے۔

اہل قلوب کی تاثیر و برکت

فرمایا: "میرا یہ اعتقاد ہے، اور تھوڑا بہت مطالعہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ دین کا کام ہوا ہے وہ تو اہل قلوب نے کیا ہے یا اہل قلوب کے سایہ میں ان کی دعاؤں سے ہوا ہے، اہل قلوب کی دعا اور آدھر گاہی کی تاثیر و برکت ہے دین کا نظام اور اس کا فروغ اہل اللہ کے قلوب سے وابستہ ہے۔"

معمولات کی پابندی

ایک موقع پر فرمایا: "بقدر گنجائش معمولات کی پابندی کرتے رہنا چاہئے۔ کہ اس سے قلب میں نورانیت اور کام میں برکت ہوتی ہے۔"

(ماخوذ از تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر ص: ۳۰۵ تا ۳۱۱)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

سحر اور معجزہ کے درمیان فرق

سوال: سحر اور معجزہ کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: سحر اور معجزہ کے درمیان بہت سارے فرق ہیں، ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں: ۱۔ سحر اسباب کے تحت ہوتا ہے، جب کہ معجزہ اسباب کے بغیر وجود میں آجاتا ہے۔ ۲۔ سحر شریر لوگوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اور معجزہ صرف انبیاء کے ہاتھ پر ظاہر ہوسکتا ہے۔ ۳۔ سحر کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، جب کہ معجزہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ۴۔ سحر کی وجہ سے اشیاء کی حقیقت نہیں بدلتی جب کہ معجزہ میں حقیقت بدل جاتی ہے۔ ۵۔ ساحر کا سحر حالتِ نوم میں نہیں چلتا جب کہ معجزہ نیند کی حالت میں بھی صادر ہوسکتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم زکریا، ۸/ ۶۴)

مکڑی مارنے کا حکم

سوال: کیا مکڑی مارنا جائز ہے؟ اگر کوئی شخص مار دے تو کیا گنہگار ہوگا؟ نیز گھر کی صفائی کرتے وقت مکڑی کے گھر کو ختم کرنا کیسا ہے؟

جواب: مکڑی ایک مبارک جانور ہے، غارِ ثور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ذریعہ بنی تھی؛ لیکن ان کی مختلف اقسام ہیں؛ بعض ان میں سے موذی ہیں اور موذی کو ختم کرنا درست ہے، نیز گھر صاف کرتے وقت مکڑی کے گھر کو ختم کرنا بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۸/ ۱۱۷)

کافر ومشرک کی دعا قبول ہونے کا حکم

سوال: کیا کافر ومشرک کی دعا قبول ہوتی ہے؟

جواب: اللہ کافر مظلوم کی دعا قبول فرماتے ہیں، اور ویسے بھی اگر کافر کی دعا قبول ہو تو استدراج ہے، اور

دنیوی اعتبار سے ہے، اخروی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی دعا بھی قبول فرمائی تھی۔

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ۸/۲۰۹)

کافر کو جزاک اللہ خیرا کہنے کا حکم

سوال: کافر کو جزاک اللہ خیرا کہنا یا اس کی کسی اچھی چیز کو دیکھ کر ماشاء اللہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: جزاک اللہ خیرا کہنے کا مدار دراصل نیت پر ہے اگر یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب کرے اور "خیر" سے ہدایت لے تو اس کی گنجائش ہے، نیز ماشاء اللہ تعجب کے لئے استعمال ہوتا ہے تو کافر کی کوئی اچھی چیز دیکھ کر ماشاء اللہ کہے تو کوئی حرج نہیں۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ۸/۳۰۸)

والد کی تعظیم میں "قبلہ وکعبہ" کے الفاظ لکھنے کا حکم

سوال: خط یا مسیج میں اپنے والد صاحب کی تعظیم میں "قبلہ وکعبہ" کے الفاظ لکھنا کیسا ہے؟

جواب: جائز تو ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ۸/۳۴۹)

بہ وقتِ اذان کتوں کا رونا اور شور مچانا

سوال: محلہ کے کتے اذان کے وقت رونا اور شور مچانا شروع کر دیتے ہیں، تو مؤذن کے اذان اور کتوں کے شور مچانے اور رونے میں کیا مناسبت ہے؟

جواب: صحیح احادیث میں آتا ہے کہ جب اذان شروع ہوتی ہے تو شیطان بھاگتا ہے، تاکہ مؤذن کی اذان نہ سنے، اور بعض مرتبہ شیطانوں کا بھاگنا جانوروں کو نظر آجاتا ہے، جس سے گھبرا کر وہ روتے ہیں۔

(فتاوی دارالعلوم زکریا، ۸/۴۴۱)

کیا والدہ سے ویڈیو کال پر بات کرنے سے زیارتِ والدین کا اجر ملے گا؟

سوال: کیا والدہ سے ویڈیو کال پر بات کرنے سے زیارتِ والدین کا اجر ملے گا؟

جواب: والدہ کو دیکھنے پر حجِ مقبول کا ثواب ملنے والے مضمون کی روایت سنداً انتہائی ضعیف اور منکر ہے؛ تاہم اگر وہ بالفرض صحیح بھی ہو تو ویڈیو کالنگ سے دیکھنے پر مذکور فضیلت حاصل نہ ہوگی، کیونکہ ویڈیو کے ذریعہ اصل صورت نظر نہیں آتی بلکہ اُس کا عکس نظر آتا ہے، اور شریعت میں عکس کا حکم اصل کی طرح نہیں ہے۔ (جیسا کہ عکس کو دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔) (نخبۃ المسائل، ۴/۳۷۶)

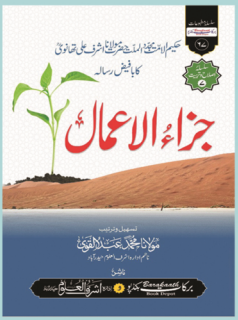

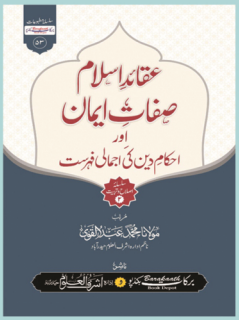

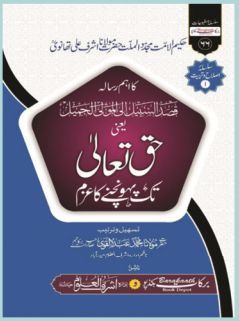

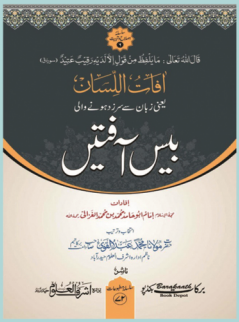

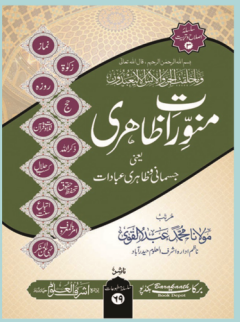

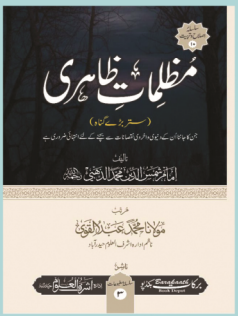

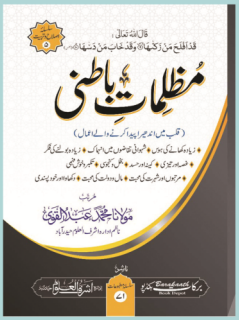

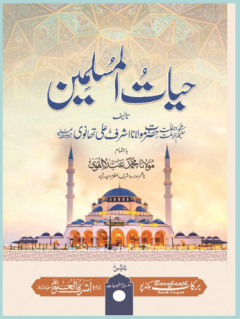

Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi